علمی و تحقیقی مجلّہ

ISSN 2221-1659

سہ ماہی

نور معرفت

ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

- جامع احادیث الشیعۃ
- ڈاکٹر کی شرعی ذمہ داری
- امام زمانہؑ کے انتظار کا فلسفہ
- ختم نبوت ..... حکمت، ضرورت اور نتیجہ
- خطبہ فدک میں دینی و اخلاقی معارف
- برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف و تراجم (۱)
- اُمت اسلامیہ کی بیداری اور مسلمان دانشوروں کی ذمہ داریاں
- اہل بیت علیہم السلام کے اسما مبارکہ کے ساتھ "علیہ السلام" کہنے کا شرعی جواز

از مطبوعات

نور الھدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد فون: 051-2231937

WEB: WWW.NOOREMARFAT.COM

جلد: ۲
ربیع الثانی
تا
جمادی الثانی
۱۴۳۲ھ
بمطابق
اپریل تا جون
۲۰۱۱ء
شمارہ: ۲

سہ ماہی
علمی وتحقیقی مجلّہ

نورمعرفت

Declaration No: 7334

ISSN 2221-1659

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید رمیز الحسن موسوی

مجلس ادارت

سید حسین عارف نقوی (صدر مجلس)

- ڈاکٹر ساجد علی سبحانی
- ڈاکٹر حسنین نادر
- ڈاکٹر سید ناصر زیدی
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر سید راشد عباس
- سید ثمر علی نقوی
- روشن علی

سرکولیشن انچارج نسیم عباس بلوچ

تزئین کار طاہر عباس

پرنٹر: پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

قیمت فی شمارہ **100** روپے
زرِسالانہ **400** روپے
زرِسالانہ **150** ڈالر امریکہ، کینیڈا، یورپ
زرِسالانہ **070** ڈالر مڈل ایسٹ

E-MAIL: NOOR.MARFAT@GMAIL.COM WEB: WWW.NOOREMARFAT.COM

شعبہ ترجمہ وتحقیق
نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد فون: 051-2231937

اہم گذارشات

☆ مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر نور معرفت کے نام ارسال کریں۔

☆ بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/ پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر کے ای۔میل پر ارسال کی جائے۔

☆ ممکن ہے کہ ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات کے نام ارسال کرے کہ ان پر تحقیق کی جائے۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ کو اختیار کیا جائے اور تفصیل سے لکھے جائیں اس طرح کتاب مصنف، طبع.....سن طباعت.....ج.....ص..... کے ساتھ مضمون کے آخر میں نمبر لگا کر دیے جائیں۔

☆ رسالہ نور معرفت میں

علوم قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، کلام وفلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتدریس، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت وتمدن، قانون واصول قانون

وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں ''نور معرفت'' کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر نور معرفت کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

فہرست مطالب

			صفحہ
	اداریہ		
	اُمت اسلامیہ کی بیداری اور مسلمان دانشوروں کی ذمہ داریاں	مدیر	۵
	مقالات		
	ڈاکٹر کی شرعی ذمہ داری	سید حسنین عباس گردیزی	۹
	ختم نبوت......حکمت، ضرورت اور نتیجہ	ثاقب اکبر	۲۷
	اہل بیت÷ کے اسما مبارکہ کے ساتھ'' - '' کہنے کا شرعی جواز	آفتاب حسین جوادی	۳۹
	خطبہ فدک میں دینی واخلاقی معارف	روشن علی	۴۷
	امام زمانہ = کے انتظار کا فلسفہ	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین نادر	۶۷
	جامع احادیث الشیعۃ	سید رمیز الحسن موسوی	۷۷
	برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف وتراجم (۱)	سید حسین عارف نقوی	۹۱

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''**نور معرفت**'' علمی وتحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلاب کے درمیان علمی وتحقیقی شوق وجستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام مدارس اوراساتذہ وطلاب سے متعلق ہے۔لہٰذا اس سلسلے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء ہمیں اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔آپ سے گزارش ہے کہ اپنی دینی وعلمی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔ تحقیقی اور علمی تحریروں کا دل کھول کر استقبال کیا جائے گا۔تمام تحریریں،فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہیں۔

مدیر

سہ ماہی نور معرفت،شعبہ تحقیقات
نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی،بارہ کہو،اسلام آباد
فون 051-2231937
ای میل noor.marfat@gmail.com
ویب www.nooremarfat.com

اداریہ

اُمت اسلامیہ کی بیداری

اور

مسلمان دانشوروں کی ذمہ داریاں

مسلمانوں کے لئے ۲۰۱۱ء کا سال ہمیشہ کی طرح مصیبتیں اور مشکلات ہی کے ساتھ شروع ہوا ہے، لیکن اس سال ہمیں انہی مصیبتوں اور مشکلات کے اندر لپٹی ہوئی کچھ مسرتیں اور نعمتیں بھی ملی ہیں، یہ مادی نعمتیں تو نہیں، لیکن معنوی اور روحانی نعمتیں ضرور ہیں۔ حقیقی معنوں میں ''بیداری'' سے بڑی کوئی نعمت نہیں، کیونکہ فرد ہو یا اجتماع اس کی سعادت اور اصلاح کا پہلا زینہ اسکی بیداری ہے، بیدار انسان اور معاشرہ ہی اپنی مرض کی تشخیص دے سکتا ہے اور اسکی اصلاح کے لئے کوشش کرسکتا ہے۔ معاشروں کی بیداری، اُن کی مشکلات کے خاتمے کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ اس لحاظ سے کسی بھی معاشرے اور قوم کی بیداری، اس کے لئے عظیم نعمت سمجھی جاتی ہے جس کے بعد وہ ہر اس خرابی اور آفت کا مقابلہ کرسکتی ہے جو اسکے بیمار جسد کو لگ سکتی ہے یا لگ چکی ہے۔ پچھلے چار پانچ ماہ سے اُمت اسلامیہ بالخصوص عرب ممالک کے مسلمانوں میں پیدا ہونے والی بیداری نے ہماری صدیوں پر محیط مایوسی کو ختم کردیا ہے۔

مصر جیسے اہم اسلامی ملک میں تیس چالیس سالہ ڈکٹیٹرشپ کا خاتمہ، لیبیا، تیونس، یمن بحرین کے عوام کا انقلابی قیام اور سعودی عرب کے پسے ہوئے عوام کی بیداری عصر حاضر میں ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کی کامیابی کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

مصری عوام نے اپنے قوی ارادوں سے فرعون وقت اور سامراج کے ایجنٹ کو فرار پر مجبور کردیا ہے، یمن کے عوام پورے عزم وارادے کے ساتھ اپنا احتجاج جاری رکھے ہوئے ہیں، لیبیا کے انقلابی جنگ و جہاد کے مرحلے تک جاچکے ہیں اور بحرینی عوام آل خلیفہ سے نجات کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرچکے ہیں۔ لیکن یہ بیداری اس وقت عظیم نعمت بن سکتی ہے جب اس کی حفاظت کی جائے اور عوام اس کی اہمیت سے آگاہ رہیں۔ عوام کی آگاہی کا سب سے بڑا سرچشمہ معاشرے کے علمائے کرام اور دانشور

حضرات ہیں، معاشروں کو آگاہ و بیدار رکھنا علماء اور دانشوروں کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ یقیناً بیدار ہونے والے ممالک اور مسلمان معاشروں کے علماء اور دانشوروں نے یہ فریضہ ادا کیا ہے تو یہ قومیں بیدار ہوئی ہیں

اس لحاظ سے مصر ہو یا تیونس، یمن ہو یا بحرین و لیبیا ان سب ممالک میں موجودہ بیداری یقیناً عوام کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور پھر اسے چند ماہ سے جاری رکھنا اس سے بھی بڑا کارنامہ ہے لیکن اس کے پیچھے یقیناً اس معاشروں کے علماء اور اہل دانش و بینش کا کردار بہت اہم ہے۔ کسی باغ کے ہرے بھرے ہونے سے پتا چلتا ہے اس کا نگہبان'' مالی'' بہت فعال اور ذمہ دار ہے۔ بیدار ہونے والے اسلامی معاشروں کی موجودہ صورت حال اور اسلامی جوش و جذبے اور سامراج مخالف احساسات سے پتا چلتا ہے کہ ان معاشروں میں ایک طبقے نے عوام کے انقلابی نظریات بنانے میں برسوں محنت کی ہے اور اپنے اپنے معاشروں کو قرآنی معاشروں میں تبدیل کرنے کے لئے دن رات کام کیا ہے۔ چونکہ ظلم ستیزی اور عدل خواہی قرآنی معاشرے کی علامات شمار ہوتی ہیں۔ جنکا ان ممالک میں بہت اچھا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ ظلم کے خلاف قیام اسلامی اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک جہاد اور دینی فریضہ ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں اپنے پیروکاروں کو کہتا ہے:

لاتَظْلِمُونَ وَلاتُظْلَمُونَ　نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے

ظلم ستیزی مسلمانوں کا سب سے بڑا فریضہ ہے جس سے غفلت گناہان کبیرہ میں سے ہے اور اس فریضہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان صدیوں سے سامراجی قوتوں اور ان کے علاقائی ایجنٹوں کے مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ عرب ممالک میں اسلامی بیداری درحقیقت اسی قرآنی اور اسلامی فریضے کی جانب بازگشت ہے کہ جس کی عملی تعلیم ہمارے تمام انبیائے کرام اور اولیائے عظم علیہم السلام نے دی ہے اور ظلم و ستم کے خلاف قیام کے عملی نمونے اپنی اپنی اقوام کے سامنے پیش کیے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال ایران کے علماء کی اسلامی جدوجہد ہے کہ جس کے نتیجے میں اسلامی انقلاب برپا ہوا اور ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے اثرات آج تیس سال بعد عالم اسلام میں ظاہر ہو رہے ہیں اور آج امام خمینیؒ نے اسلامی معاشروں کی بیداری کا جو خواب دیکھا تھا وہ پورا ہو رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں ظلم ستیزی کے خلاف عوام کا قیام بتا رہا ہے کہ ان ممالک کے نماز جمعہ کے اجتماعات حقیقی معنوی میں اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں اور یہاں کے علمائے کرام عوام کو صحیح اسلامی و قرآنی تعلیمات سے آگاہ کر رہے ہیں۔

اس صورت حال سے سبق حاصل کرنا اُمت کے تمام علمائے کرام اور دینی دانشوروں کا اولین فریضہ ہے اور اُن کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اپنے ممالک میں مسلمان عوام کو ظلم و ستم اور ظالموں سے نفرت کا درس دیں اور عزت نفس کے ساتھ زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھائیں۔ اس کے علاوہ مذکورہ اسلامی ممالک میں مسلمان اُمہ کے اسلامی

قیام اور بیداری کی تحریک سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ان پر ہونے والے مظالم کے بارے صدائے احتجاج بلند کریں چونکہ اس وقت مصر، لیبیا، بحرین، تیونس اور یمن میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نہ تو مثبت پہلو کی عکاسی ہمارا میڈیا کر رہا ہے اور نہ ہی منفی پہلو سے عوام کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔ یہ نماز جمعہ کے خطبات اور دینی مجلّات واخبارات ہی ہیں کہ جو یہ اہم ذمہ داری پوری کر کے اس عظیم اسلامی تحریک میں حصہ ڈال سکتے ہیں۔ اگر علمائے دین اور دینی ادارے ومراکز یہ ذمہ داری بھی پوری نہیں کرتے تو ملک کے مغرب سے وابستہ میڈیا سے گلہ ہی کیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ملک کے علماء ودانشور بھی بیدار اسلامی ممالک کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو ضرور پورا کریں گے۔

کیونکہ آگاہی کے بغیر اپنی قوم وملت سے کسی انقلابی حرکت کی اُمید کرنا عبث ہے، اگر ہم نے اپنے ملک کو ظالمانہ سامراجی نظام کے چنگل سے آزاد کرانا ہے تو اس کے لئے ہمیں بھی مذکورہ ممالک کی طرح اپنے عوام کے اندر قرآنی شعور بیدار کرنا ہوگا جس کے بعد ہر قسم کی تبدیلی اور انقلاب کی اُمید کی جاسکتی ہے البتہ اس تبدیلی کی بنیاد دیں دینی اور علمی ہونی چاہیں نہ احساساتی اور جذباتی، جس کے لئے علمائے دین کو کام کرنا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆

''علم''

امیر المومنین حضرت علی - کی نظر میں

دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے **طالب علم** اور **طالب دنیا**۔

علم صرف صاحبان علم ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔

بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر۔

علم میں سرفہرست نرمی ہے اور اس کی آفت حماقت اور سخت روئی ہے

بچپن کا علم پتھر پر نقش کی طرح ہوتا ہے۔

انبیاء کے نزدیک اولویت اس شخص کو حاصل ہے جو لوگوں میں ان انبیاء کے لائے ہوئے احکامات کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

علم تمام حسب نسب سے زیادہ شریف ہے۔

جو تعلیم کی تلخیوں کو برداشت نہیں کر پاتا وہ جہالت کی ذلت میں باقی رہتا ہے۔

جب خدا کسی بندے کو ذلیل کرتا ہے تو بابِ علم اس پر بند کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر کی شرعی ذمہ داری

سید حسنین عباس گردیزی☆

☆ حبیب اللہ طاہری(۱)

اسلامی شریعت میں جن علوم کا سیکھنا معاشرے کی ضرورت ہے جیسے میڈیکل کا علم ،ان کا حاصل کرنا واجب کفائی ہے وہ تمام افراد جو ان کی تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے لیے وسائل بھی فراہم ہیں ،ان پر واجب ہے کہ وہ ان علوم کو حاصل کریں اور معاشرے کی ضرورتوں کو پورا کریں ان علوم کا حاصل کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک معاشرے کی ضرورت پوری نہ ہو۔

اسلامی احکام میں حفظان صحت اور طبی امور پر خاص توجہ دی گئی ہے ،صحت کی اس قدر اہمیت ہے کہ علم الابدان کو علم الادیان کے ساتھ قرار دیا گیا ہے چنانچہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے:

العلم علمان: علم الابدان وعلم الادیان (۲)

ایک طرف مریضوں پر واجب ہے جب وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہوں کہ اگر وہ ڈاکٹر کے پاس نہ جائیں تو مر جائیں یا ان کا کوئی جسمانی عضو یا جسمانی قوت ضائع ہو جائے تو وہ ڈاکٹر سے رجوع کریں اور اپنے علاج کروائیں اس میں سستی اور کوتاہی قطعاً جائز نہیں ہے۔

اِس بات کی دلیل حدیث ''**لاضرر ولا ضرار**'' (۳) آیت ''**وَلاَ تُلْقُوبِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ**'' (بقرہ۱۹۵) اور دیگر احادیث ہیں: جیسے ''**تداووا فانَّ الّذِی انزل الدء انزل الدواء**'' اور ''**ان موسیٰ علیہ السلام مرض فعادہ بنو اسرائیل ووصفوا ھا لہ دواءً فامتنع منہ ،فَاَوحی اللّٰہ اِلَیْہِ انَّ اللّٰہ یأمرہ بذلک والا لم یشفہ**'' (۴) اسی طرح اور بھی احادیث ہیں ان سب کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

دوسری طرف ڈاکٹر اور طبیب پر بھی ایسے امراض کا علاج کرانا واجب ہے کہ اگر وہ علاج نہ کرے تو ،حرام ہونے کے علاوہ ضمان کا باعث بھی ہے ،ایک حدیث میں ابان بن تغلب ،امام صادق - سے نقل کرتے ہیں

☆ چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، پرنسپل جامعۃ الرضا، بہارہ کہو، اسلام آباد
☆(۱) تہران یونیورسٹی سے الحاق شدہ مجتمع آموزش عالی قُم کی ھیت علمی کے رکن

کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ -یوں فرماتے تھے:

اگر کوئی طبیب کسی زخمی اور مجروح کی مرہم پٹی وغیرہ نہ کرے (یعنی مریض کے زخموں کا کسی بھی وجہ سے علاج نہ کرئے) تو وہ زخمی کرنے والے کے ساتھ شریک ہے کیونکہ زخمی کرنے والے شخص کا مقصد مجروح کو تکلیف دینا اور نقصان پہنچانا تھا اور وہ شخص جو اس کا علاج اور مرہم پٹی کرسکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ اس کے نقصان کا خواہاں ہے۔(۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح سے زخمی کرنے والا مجرم اور ضامن ہے، اسی طرح علاج نہ کرنے والا طبیب بھی ذمہ دار ہے، اس بنا پر طبیب یا ڈاکٹر علاج کرنے سے انکار نہیں کرسکتا، علاج ومعالجہ سے انکار اِس کا حق نہیں ہے۔

اسلامی تفکر اور عالمی معاشروں میں پوری تاریخ بشریت میں طبیب اور طبابت کو ایک مقدس کا مقام حاصل رہا ہے اور ہے اس کے ساتھ ساتھ مریضوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے علاج ومعالجے کے لیے ان سے رجوع کریں اور ان پر بھی مریضوں کا علاج کرنا واجب اور انکار کرنا حرام ہے۔

آخر طبیب یا ڈاکٹر بھی ایک انسان ہے اور غیر معصوم ہے، دوسرے انسانوں کی طرح اس سے بھی خطا اور غلطی کا امکان ہے، بعض اوقات ممکن ہے کہ ڈاکٹر کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کا علاج مریض کے جسمانی یا مالی نقصان کا موجب بنے جب کہ اس میں ڈاکٹر کی کوتاہی اور غلطی بھی نہ ہو۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا طبیب / ڈاکٹر اپنے عمل کا ذمہ دار ہے اور نقصان کا ضامن ہے یا نہیں؟ یعنی طبیب کی غلطی موجب ضمان نہیں ہے بالفرض اگر ضمان ہو تو بھی قاضی کی خطا کی طرح بیت المال سے اس کی ادائیگی کی جائے گی؟

اس سوال کے واضح جواب کے لیے ضروری ہے کہ مختلف پہلوؤں سے بحث کا دائرہ کار مشخص اور معین ہو (جیسے ضمان سے مراد جبری ضمان ہے یا معاہدے کے تحت ضمان ہے؟ طبیب سے مراد جاہل طبیب ہے یا حاذق؟ کوتاہی اور غلطی کا مرتکب ہوا ہے یا بے خطا اور محتاط ہے؟ کیا طبیب کا فعل خطاء محض کا مصداق ہے یا شبہہ عمد کا؟ اور دیگر چیزیں) بحث کا دائرہ کار واضح ہونے کے بعد طبیب کی ضمان اور عدم ضمان کے بارے میں دلائل کی روشنی میں تحقیق کی جائے تا کہ معلوم ہوجائے کہ طبیب ضامن ہے یا نہیں، ضامن ہونے کی صورت میں کیا ضمان کے ختم ہونے کی کوئی صورت ہے تا کہ طبیب ضمان سے بری الذمہ ہوجائے یا نہیں؟

اس مقالے میں درج ذیل عناوین کے تحت مذکورہ موضوع پر تحقیق کی جائے گی۔

۱۔ بحث کے دائرے کار کا تعین

۲۔ ضمان طبیب کا اثبات

۳۔ ضمان طبیب کے ختم ہونے کے عوامل

ا۔ بحث کے دائرے کار کا تعین:

اِس عنوان کے تحت سب سے پہلے ضمان طبیب کا مفہوم واضح ہونا چاہیے اور دوسرے نمبر پر یہ معلوم ہو کہ طبیب سے مراد کونسا طبیب ہے؟ ماہر یا جاہل؟ لاپرواہ ہے یا محتاط؟ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہونا چاہیے کہ صرف بعض اطباء ضامن ہیں جیسے جراح اور سرجن یا سب طبیب اعم از عام یا سپلشٹ، سرجن یا فزیشن وغیرہ اِسی طرح اعم از ماہر نفسیات وغیرہ اور کیا طبیب کا عمل اور فعل جو کہ ضمان کا موجب ہے خطاء محض کا مصداق ہے یا نہیں؟

الف: ضمان کا معنی اور اس کے استعمال کے مواقع:

فقہا کی اصطلاح میں ضمان کا مطلب تعہد (پابند ہونا) اور اپنے ذمہ لینا ہے، اور قانون کی زبان میں کبھی مسئولیت اور ذمہ داری کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہے، ضمان اور اس کے مشتقات کا فقہ اور قانون مدنی میں استعمال کے مقامات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان موارد اور گوناگون معانی کو شمار کرنا مشکل ہے، لیکن ملتے جلتے معانی اور استعمال کے موارد کی تقسیم بندی ضمان کے مفہوم کو سمجھنے میں کافی مدد دے گی۔

ا۔ معاہدہ سے پیدا ہونے والی ضمان: عقد سے پیدا ہونے والی ضمان وہی معاہدے کے تحت ضمان ہے مثلاً عقد بیع (خرید و فروخت) میں فروخت کرنے والے اور خریدار ایک دوسرے کے ضامن ہیں یعنی بایع (فروخت کرنے والا) اس بات کا پابند اور ضامن ہے کہ وہ جنس کو مشتری (خریدار) کے حوالے کرے۔ اسی طرح مشتری بھی پابند اور ضامن ہے کہ قیمت بائع کو ادا کرے اور جنس یا ثمن (قیمت) کا حقدار یا مالک کوئی اور نکل آئے تو ہر دو صورتوں میں بائع اور مشتری اس کا ازالہ کرنے کے پابند اور ضامن ہوں گے، بہرحال ضمان عقدی وہی ضمان ہے جسے آج کل کے قانون کی زبان میں معاہدہ پر مبنی ذمہ داری کہتے ہیں۔

۲۔ ضمان جبری (جبراً ضمان) اس سے مراد وہ ضمان ہے جو کسی امر کے انجام دینے کی ذمہ داری کی وجہ سے یا کسی نقصان اور ضرر کے ازالے کے لیے جو اشخاص کے درمیان کسی معاہدے اور اقرار نامے کے بغیر زبردستی اور بحکم قانون حاصل ہو، جیسے غصب کرنے سے پیدا ہونے والی ضمان، کسی چیز کو تلف کرنے، تلف کا سبب بننے سے وجود میں آنے والی ضمان اور دیگر اس طرح کی مثالیں ضمان کی ان تمام صورتوں میں قدر مشترک اس کا ناخواستہ ہونا ہے یعنی ضامن کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی امر کا اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرائے، لیکن قانون اس پر یہ ذمہ داری زبردستی ڈال دیتا ہے۔

۳۔ عقد ضمان: آئین کے آرٹیکل ۶۸۵ کے مطابق عقد ضمان سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ذمے مال کو اپنے ذمہ لے لے۔۔۔۔۔ اور یہ قرضے کے انتقال کی ایک قسم ہے۔

جس میں مذکورہ عقد کے ذریعے قرضہ مقروض کے ذمے سے ضامن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری بن جاتا ہے

ضمان کے معانی اور اس کے استعمالات سے آگاہ ہونے کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ طبیب کی ضمان ان تین معانی میں سے کس پر قابل تطبیق ہے، کیا یہ ضمان عقدی اور معاہدہ پر مبنی ہے؟

یا یہ عقد ضمان ہے جو کہ کسی دوسرے پر ذمہ داری اور ضمان تھی اور ایک معاہدے کے تحت اس کی طرف منتقل ہوئی ہے؟ یا یہ کہ ان دو میں سے نہیں ہے بلکہ یہ لازمی اور جبری ضمان ہے جو کسی معاہدے کے تحت وجود میں نہیں آئی ہے؟ معلوم ہے کہ طبیب کا ضامن ہونا جبراً ضمان سے ہے، یعنی یہ بادل ناخواستہ ضمان ہے جو قانونی طور پر اس کی گردن پر ڈالی گئی ہے کیونکہ طبیب یا ڈاکٹر نے کسی سے اس طرح کا معاہدہ نہیں کیا ہے کہ اگر کوئی ضرر یا نقصان ہوا تو میں اُسے پورا کروں گا، اسی طرح کوئی اور معاہدہ یا قاعدہ کلیہ بھی موجود نہیں ہے جس کے تحت طبیب پر ذمہ داری ڈالی جائے۔

۱۸۳۳ء میں فرانس کی عدالت عالیہ میں ڈاکٹروں کی ذمہ داری اور ضمان کا مسئلہ پیش ہوا تو عدالت عالیہ نے فیصلہ دیا کہ فرانس کے قانون شہریت کے دو آرٹیکل ۱۳۸۲ اور ۱۳۸۳ جو کہ جبری ضمان سے متعلق ہیں وہ مکمل طور پر ڈاکٹر کی ضمان پر منطبق ہوتے ہیں، بنابرایں ڈاکٹر کی ضمان جبراً اور قہراً ہے، اس فیصلے کے بعد فرانس کی عدالتیں اسی اصول کے مطابق فیصلہ کرتی تھیں۔

یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں دوبارہ ضمان طبیب کا مسئلہ فرانس کی عدالت عالیہ میں پیش ہوا اس مرتبہ عدالت عالیہ نے ضمان طبیب کو معاہدہ پر مبنی ضمان قرار دیا کیونکہ مریض اور طبیب کے درمیان علاج و معالجہ کا معاہدہ موجود ہے اگر چہ علاج جس کے معاہدہ میں مریض کی صحت یابی کی ضمانت نہیں ہے، لیکن معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ پر خلوص اور آگاہی کی بنیاد پر تمام کوششیں بُروے کار لائی جائیں اور طبی اصولوں کے مطابق علاج کیا جائے اور معاہدے نے جو ذمہ داری طبیب پر ڈالی ہے اگر چہ وہ جان بوجھ کر نہ بھی ہو پھر بھی معاہدہ پر مبنی ذمہ داری کا موجب ہے۔(۶)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علاج کا معاہدہ ضمان کا باعث نہیں بنتا کیونکہ اگر طبیب معاہدے کے مطابق عمل نہ کرے تو وہ قصوروار ہے اور قصوروار طبیب یقیناً ضامن ہے۔

اور یہ ہماری بحث کے دائرے سے خارج ہے اور اگر طبیب حاذق اور ماہر تھا اور اس نے اپنی تمام توانائیوں کو بروئے کار لایا ہے البتہ مریض کی جان وہ نہیں بچا سکا تو اس صورت میں علاج کا معاہدہ ضمان کا موجب نہیں بن سکتا تا اینکہ اس کی ضمان معاہدے پر مبنی ضمان ہو، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی ضمان قہراً ہو اور اُسے ہمیں بیان کرنا چاہیے۔

ب:۔ کونسا طبیب یا ڈاکٹر ضامن ہے؟

ایک لحاظ سے طبیب یا ڈاکٹر سے مراد کوئی خاص طبقہ یا افراد نہیں ہیں یعنی ضمان کا موضوع جراحوں

(سرجنز) عمومی ڈاکٹرز یا ماہرین نفسیات یا جانوروں کے ڈاکٹرز سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر طبیب اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور جانی اور مالی نقصانات کو پورا کرنے اس کی ذمہ داری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر (شرعی) ادلہ سے طبیب کی ضمان ثابت ہو جائے تو پھر فرق نہیں ہے کہ ایک عام ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائی مریض کے عضو کے ضائع ہونے یا کمی کا سبب بنے یا پھر ایک ماہر سرجن کے آپریشن کی وجہ سے دل یا دماغ یا کوئی اور عضو ختم ہو جائے یا پھر ماہر نفسیات کے چند مرتبہ بجلی کے جھٹکے دینے یا دوائی تجویز کرنے سے اس کا مریض مر جائے یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جائے یا حیوانات کا ڈاکٹر اپنے غلط علاج سے جانور کو جان سے مار دے ان تمام صورتوں میں طبیب ضامن ہوگا۔

دوسری طرف یہ بحث کہ طبیب ضامن ہے یا نہیں، یقیناً بعض اطباء سے مخصوص ہے یعنی ماہر اور محتاط طبیب (جس نے اپنی پوری کوشش کی ہے) کے بارے میں بحث ہے کہ وہ ضامن ہے یا نہیں؟ ورنہ قصور وار یا جان بوجھ کر غلطی کرنے والا طبیب حتماً ضامن ہے اور کسی فقہی نے اس کے ضامن نہ ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور اس صورت میں تو کوئی اختلاف بھی نہیں ہے کہ اس پر بحث کی جائے یہاں پر مختصر طور پر ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

طبیب جاہل کی ضمان:

علم و دانائی اور مہارت طبابت کی پہلی شرط اور اس کا بنیادی رکن ہے۔ طبابت اور حیوانات کا علاج اور ان سے متعلق دیگر شعبہ جات میں اگر کوئی ضروری علم کے بغیر پیشہ اختیار کرے گا اور اس کی وجہ سے انسان یا حیوان مر جائے یا اس کا کوئی عضو یا قویٰ میں کوئی قوت ضائع ہو جائے تو وہ شخص اسکی جان یا متاثرہ عضو کی دیت دینے کا پابند اور ذمہ دار ہوگا اس بارے میں شیعہ اور سنی فقہا اور قانون دانوں کی آراء ایک جیسی ہیں اور شیعہ وسنی ذرائع سے منقولہ روایات اس مطلب پر گواہ ہیں۔ نمونے کے طور پر ان میں سے چند روایات کو یہاں پر بیان کرتے ہیں۔

امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ سے حدیث بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے۔

"امام پر واجب ہے کہ وہ فاسق علماء، جاہل اطباء اور۔۔۔۔۔۔۔کو قید میں ڈال دے۔ "(۷)

کیونکہ مفسد اور فاسق علماء لوگوں کے عقیدے اور دین کو اور جاہل ڈاکٹرز لوگوں کے جسموں کو خراب اور تباہ کرتے ہیں جاہل اور اَن پڑھ ڈاکٹر نہ صرف معاشرے کے افراد کے جسمانی اور نفسیاتی دردوں کا مداوا نہیں کرتے بلکہ ان میں اضافہ کرتے ہیں اور کبھی کبھار تو انہیں موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں رسول ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا؛

مَنْ تطبیب و لم یکن بالطب معروفا فهو ضامن (۸)

یعنی جو شخص لوگوں کا علاج و معالجہ (طبابت) کرے لیکن اس کے بارے میں ضروری علم نہ

رکھتا ہو وہ ضامن ہے اور ذمہ دار ہے ۔

قرآن مجید میں بھی ظن اور گمان پر عمل کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے بالخصوص انسان کی جان اور صحت وسلامتی جیسے اہم امور میں اور کہا گیا کہ کہ "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ"(۹)

دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے:

''اِنّ الظَّنَّ لاَ يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ''۔(۱۰) لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام کام علم وآگاہی کی بنیاد پر انجام دینے چاہیں نہ کہ ظن، گمان اور خیال کی بنیاد پر۔

فقہی اصول وضوابط اور قاعدہ ضمان کی بنیاد پر بھی یہی بات ہے کہ جب غیر تربیت یافتہ اور نابلد افراد طبابت اور میڈیکل کے شعبہ سے وابستہ ہوں اور اس کام کو کرنا شروع کر دیں اور مریض کی صحت یابی اور بیماری کے علاج کی بجائے اس کی خرابی اور ہلاکت کا باعث بنیں تو ایسی صورت میں وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار اور مسئول ہیں اگر ان کی طبابت مریض کے فوت ہونے کا سبب بنے تو وہ دیت کے بھی ضامن ہوں گے۔ فقہا اس مسئلے میں متفقہ رائے رکھتے ہیں۔(۱۱)

اسلامی سزاؤں کے باب میں آئین کے آرٹیکل ۲۹۵ کی شق نمبر ۳ میں آیا ہے کہ جب بھی عدم مہارت کی وجہ سے قتل یا ضرب یا زخم وقوع پذیر ہو تو یہ شبہہ عمد کے حکم میں ہے اور مجرم دیت ادا کرنے کا پابند ہے۔

بہرصورت غیر تربیت یافتہ اور کم علم طبیب کی ضمان میں کوئی شک نہیں ہے لہذا ہماری گفتگو اس سے متعلق نہیں ہوگی۔

طبیب مقصر کی ضمان:

شیعہ فقہا کا اجماع ہے کہ جب بھی حاذق اور دانا طبیب کوتاہی اور سہل انگاری کی وجہ سے علاج ومعالجہ میں کسی غلطی کا مرتکب ہوا اور اس کی وجہ سے مریض کو نقصان اٹھانا پڑے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ اس کا علاج مریض یا اس کے سرپرست کی اجازت سے ہی کیوں نہ ہوا ہو۔(۱۲)

چونکہ غیر محتاط اور کوتاہی کرنے والے طبیب اور ڈاکٹر کا ذمہ دار اور مسئول ہونا بدیہیات اور فقہی مسلمات میں سے ہے اس لیے فقہا نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے کیونکہ اس صورت میں ضمان کے تمام قواعد اور دلائل لاگو ہوتے ہیں۔

بنابرایں اگرچہ طبیب علم وعمل کے لحاظ سے ماہر اور تجربہ کار ہے، میڈیکل کی زبان میں اس کا فرض ہے کہ وہ علاج میں مریض کے چیک اپ سے لے کر بیماری کی تشخیص اور علاج کے تمام اقدامات میں مریض کی صحت یابی کے لیے تمام طبی اصولوں اور مروجہ طبی معیاروں کو مدنظر رکھے۔ بصورت دیگر جب بھی مریض کو کوئی بھی جانی، مالی یا معنوی نقصان ہوا تو اس کی تمام تر ذمہ داری طبیب پر عائد ہوگی۔ اگرچہ علاج مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے ہی انجام پایا ہو اور علاج سے پہلے برائت نامہ ہی کیوں نہ حاصل کیا گیا ہو۔

کیونکہ ڈاکٹر کی کوتاہی اور سہل نگاری پر اجازت نامے اور برائت نامے کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور وہ اس پر جاری اور نافذ نہیں ہوں گے۔

پس ہماری بحث کہ کیا طبیب ضامن ہے یا نہیں؟ صرف حاذق تجربہ کار اور ماہر طبیب کے بارے میں ہے جس نے اپنی طبابت کی روشنی میں تمام کوششوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لایا لیکن اس کی تمام کاوشیں بے سود ثابت ہوئیں اور علاج کے دوران مریض مر گیا یا اس کا عضو ضائع ہو گیا یا جسمانی قویٰ میں سے کوئی قوت ختم ہوگئی۔ ورنہ کم علم، ناتجربہ کار اور کوتاہی کرنے والا طبیب تو یقینی طور پر ضامن ہے۔

خطاء محض:

طبیب کی خطاء اور غلطی سے مراد خطاء محض نہیں ہے کہ دیت عاقلہ پر واجب ہو۔ کیونکہ طبیب کا عمل شبہہ عمد کی مانند ہے کہ خطاء محض سے، کیونکہ خطاء محض میں آدمی اس کام کے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا مثلاً وہ اپنی بندوق کو صاف کرنے میں مشغول ہے اچانک اس سے گولی چل جاتی ہے اور اتفاقیہ طور پر کس انسان کو جا لگتی ہے اور اسے قتل کر دیتی ہے اس صورت میں یہ قتل خطاء محض ہے جبکہ شبہہ عمد میں انسان فعل کو انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کا مقصد قتل نہیں ہوتا بلکہ کوئی اور ہوتا ہے اتفاق سے قتل ہو جاتا ہے مثلا ایک استاد اپنے شاگرد کو ادب سکھانے کے لیے مارتا ہے لیکن بدقسمتی سے وہ شاگرد مر جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ شبہہ عمد میں انسان اپنے فعل میں عامد ہے لیکن اپنے قصد وارادہ میں خطاوار ہے لہٰذا چونکہ مریض کا علاج ومعالجہ طبیب کے قصد وارادے سے انجام پاتا ہے مثلاً وہ مریض کا آپریشن کرتا ہے لیکن اُسے قتل کرنے کے ارادے سے نہیں بلکہ اس کے علاج اور صحت کے لیے وہ آپریشن کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے مریض جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے شبہہ عمد ہے لہٰذا دیت خود طبیب کے مال سے ادا کی جائے گی نہ کہ عاقلہ ادا کرے گی۔ اس ضمن میں یہ نکتہ بھی واضح ہو جائے کہ طبیب کی خطاء اور غلطی کو قاضی کی غلطی کی طرح بھی نہیں سمجھا جاتا تاکہ دیت بیت المال سے ادا کی جائے بلکہ ہر صورت میں دیت خود طبیب کے مال سے ادا کی جائے گی۔

۲۔ ضمان طبیب کا اثبات:

مسلمانوں کی نظر میں طبابت اَوّلاً ایک دینی ذمہ داری اور تعہد ہے اس کے ساتھ ایک اجتماعی انسانی ضرورت بھی ہے جس میں تساہل کی بالکل گنجائش نہیں ہے اور یہ واجبات کفائی میں سے ایک واجب ہے۔ ثانیاً یہ ایک عقلی حکم ہے کیونکہ نوع انسانی کی بقا میں تکلیفوں اور مصیبتوں کو کم کرنے میں اس کا بنیادی کردار ہے۔ ثالثاً طبابت ایک اخلاقی ذمہ داری ہے، ایک انسان کی جان بچانا معاشرے کے تمام افراد کی جان بچانے کے مترادف ہے۔

"وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآاَحْيَاالنَّاسَ جَمِيْعًا" (۱۳)

لہٰذا طبیب یا ڈاکٹر جو علاج کر سکتا ہے اور نہیں کرتا وہ اخلاقی طور پر مجرم ہے (یا انسانی اخلاقی

سے عاری ہے) (۱۴)

اور حضرت عیسیٰؑ مسیح کے بقول مجروح کو زخمی کرنے والے کے جرم میں شریک ہے۔(۱۵)

اب طبابت اور علاج ومعالجہ کی اہمیت اور اعلیٰ مقام کے پیش نظر اگر ایک حاذق، تجربہ کار اور ماہر طبیب مریض کے علاج میں اپنی پوری کوشش کرتا ہے لیکن اس کا معالجہ سودمند ثابت نہیں ہوتا اور مریض یا تو جان کی بازی ہار جاتا ہے یا اس میں کوئی جسمانی نقص یا عیب پیدا ہو جاتا ہے۔اس صورت میں دیکھنا چاہیے کہ فقہا اور قانون کے ماہرین کی رائے کیا ہے؟ کیا مذکورہ طبیب ضامن ہے یا نہیں؟

مشہور شیعہ فقہا اور قانونی ماہرین ضمان کے قائل ہیں اور ان کی رائے میں طبیب ضامن ہے بعض افراد نے عدم ضمان کا نظریہ پیش کیا ہے۔اب ہم دونوں قسم کے نظریوں کے دلائل پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون سا نظریہ درست ہے۔

الف:۔مشہور نظریہ: (ضمان طبیب)

مشہور امامیہ فقہا کا یہ نظریہ ہے کہ جب طبیب کا معالجہ مریض کی موت، یا جسمانی نقصان کا سبب بنے تو طبیب اس کا ذمہ دار ہے اگر چہ وہ طبابت میں ماہر اور تجربہ کار ہی کیوں نہ ہو اور علاج مریض یا اس کے ولی کی اجازت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔(۱۶)

شہید اوّل لمعہ کے متن میں لکھتے ہیں:

الطبیب یضمن فی ما له ما یتلف بعلاجه و ان احتاط و اجتهد و اذن المریض

(یعنی جب طبیب کا معالجہ انسانی جان یا عضو کے ضیاع کا باعث بنے تو وہ ضامن ہے اگر چہ اس نے پوری احتیاط سے کام لیا ہو اور علاج میں بھرپور کوشش کی ہو اور یہ مریض کی اجازت سے انجام پایا ہو)۔

مشہور فقہا نے اپنے نظریے کے اثبات کے لیے چند دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے چند ایک کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔

ا۔روایات:

سکونی نے امام صادقؑ سے اور انہوں نے امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مَنْ تطبب اور تبیطر فلیاء خذالبرائة من ولیه والا فهو له ضامن .(۱۷)

جو شخص انسانوں یا جانوروں کا علاج کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بیمار کے سرپرست اور حیوان کے مالک سے برائت نامہ حاصل کرے بصورت دیگر وہ ضامن ہے۔

دوسری روایت بھی سکونی نے امام صادقؑ کے ذریعے ان کے والد گرامی سے نقل کی ہے انہوں نے فرمایا:

ان علیّا علیه السّلام ضمن ختانا قطع حشفه غلام .(۱۸)

(علی علیہ السلام نے ایک ختنے کرنے والے کو ضامن قرار دیا جس نے ایک لڑکے کے آلہ تناسل کا سرا (حشفہ) کاٹ دیا تھا۔)

ان دو روایتوں کی بناء پر تمام اطباء خواہ وہ انسانوں کا طبیب ہو یا مویشیوں کا ڈاکٹر ہو حتی کہ ختنہ کرنے والا اپنے اعمال کا مسئول اور ذمہ دار ہے اور نقصان ہونے کی صورت میں وہ ضامن ہے۔

۲۔ فقہ کے قواعد اور قوانین (۱۹)

طبیب کے عمل پر بعض فقہی اور قانونی قواعد لاگو ہوتے ہیں جو اسے ضامن اور مسئول قرار دیتے ہیں۔ جیسے

قاعدہ اتلاف:

عام طور پر یہ کہتا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی جان، مال یا صحت وسلامتی کے ضیاع اور تلف ہونے کا موجب بنے وہ اس کا ذمہ دار ہے ہم جانتے ہیں کہ اس قاعدے میں ارادے اور عدم ارادے، عاقل اور غیر عاقل، بالغ اور غیر بالغ اور عالم اور جاہل میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی ان تمام صورتوں میں تلف کنندہ ضامن ہے بنابرایں چونکہ طبیب کا عمل جان یا مال یا قویٰ جسمانی یا اعضاء کے ضیاع اور تلف ہونے کا باعث ہے اس لیے طبیب ضامن ہے اور چونکہ اس کا ارادہ تلف اور ضیاع کا نہیں تھا اس لیے اس کا عمل شبہہ عمد کا مصداق ہے۔

قاعدہ تسبیب:

بعض صورتوں میں طبیب کے عمل پر منطبق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ایک ڈاکٹر مریض کے لیے ٹیکہ تجویز کرتا ہے اور نرس ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے وہ ٹیکہ مریض کو لگا دیتی ہے جس کی وجہ سے مریض مر جاتا ہے۔ یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جاتا ہے یا وہ اپاہج ہو جاتا ہے یا اندھا ہو جاتا ہے تو اس صورت میں سبب بلا واسطہ انجام دینے والے سے اقوی ہونے کی بنیاد پر طبیب ضامن ہے (نہ کہ نرس جو کہ ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرنے کی پابند ہے۔ یہاں پر طبیب سبب ہے اور بلا واسطہ عمل نرس نے انجام دیا ہے)۔

قاعدہ غرور: (دھوکا کھانا)

بعض صورتوں میں طبیب قاعدہ غرور کی رو سے ضامن ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر نے مریض کے لیے دوا تجویز کی اور نسخہ لکھ دیا۔ مریض نے ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی ہدایت کے مطابق دوا خریدی اور استعمال کی اس امید کے ساتھ کہ دوا کھانے سے اس کا درد ختم ہو جائے گا اور اس کی بیماری کا علاج ہو جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے دوا کا استعمال اس کی موت، یا عضو میں نقص یا دوسرے نقصان کا باعث بن گیا اس صورت میں طبیب "غار" (دھوکہ دینے والا) اور مریض "مغرور" (دھوکہ کھانے والا) کا مصداق ہے۔

لہٰذا اس قاعدہ غرور اور مشہور حدیث نبوی:

المغرور یرجع الی من غرہ کے مطابق مریض یا مریض کے فوت ہونے کی صورت میں اس کے وارث ڈاکٹر سے تاوان وصول کریں گے۔

قاعدہ لاضرر:

اس قاعدے کے مطابق ہر قسم کا نقصان اور ضرر خواہ کسی کی طرف سے بھی پہنچا ہوا ہو اس کا ازالہ اور اس نقصان کا پورا ہونا ضروری ہے اسی میں سے ایک ڈاکٹر کی طرف مریض کو پہنچنے والا ضرر اور نقصان ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

۳۔اجماع:

اس مسئلہ میں بعض فقہاء نے اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے یا پھر "لاخلاف" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔(۲۰) یہاں تک کہ شرح لمعہ میں شہید ثانی نے اس مسئلہ پر اجماع کو عمدہ دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔اسی بنیاد پر اور مشہور فقہاء کی پیروی میں اسلامی جمہوریہ ایران کے آئین کے (اسلامی ماہرین قانون) نے اسلامی سزاؤں کے قانون میں چند آرٹیکل کو اس موضوع سے مختص کیا ہے جیسے

آرٹیکل نمبر ۳۱۹۔

جب بھی کوئی ڈاکٹر اگر چہ بڑا ماہر اور تجربہ کار ہی کیوں نہ ہو،اس کے معالجہ کی وجہ سے جو وہ خود انجام دیتا ہو یا اس کی ہدایت دیتا ہو،کوئی جان یا عضو تلف ہو جائے یا مالی نقصان ہو جائے تو وہ ڈاکٹر ضامن ہے اگر چہ علاج مریض یا اس کے سرپرست کی اجازت سے انجام پایا ہو۔

آٹیکل نمبر ۳۲۰۔

جب بھی ختنہ کرنے والا،ضروری مقدار سے زیادہ کاٹنے کی وجہ سے جرم کا مرتکب ہو یا نقصان کا باعث بنے تو وہ ضامن ہے اگر چہ وہ ماہر ہی کیوں نہ ہو۔

آرٹیکل نمبر ۳۲۱۔

جب بھی بیطار اور حیوانات کا ڈاکٹر کسی حیوان کے علاج کے دوران اسے نقصان پہنچائے تو وہ ضامن ہے اگر چہ وہ ماہر ہی کیوں نہ ہو اور حیوان کے مالک کی طرف سے علاج کا مجاز بھی ہو۔

اس بنا پر ان قوانین موضوعہ کے مطابق ڈاکٹر یا طبیب ضامن ہے اگر چہ وہ ماہر اور تجربہ کار ہو،مریض یا اس کے ولی کی طرف سے مجاز ہو اور اس نے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کی ہوں۔

ب۔غیر مشہور نظریہ:(عدم ضمان طبیب)

مشہور نظریے کے برخلاف چند فقہا جیسے قدماء میں سے ابن ادریس اپنی کتاب سرائر (۲۱) میں معاصرین میں سے آیۃ اللہ سید محمد شیرازی،کتاب "الفقہ "(۲۲) میں اور بعض قانون دان ماہر اور محتاط طبیب کی عدم

ضمان کے قائل ہیں۔ان کے بھی اپنے دلائل ہیں یہاں پران کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔اصل برائت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ طبیب کے ماہر، تجربہ کار محتاط اور معالجہ میں مجاز ہونے کی صورت میں ہمیں شک ہے کہ وہ ضامن ہے یا نہیں تو اصل یہ ہے کہ طبیب بری الذمہ ہے۔

۲۔مریض یا اس کے سرپرست کا علاج کی اجازت دینا۔چونکہ طبیب علاج ومعالجہ کے لیے مریض یا اس کے سرپرست کی طرف سے مجاز ہے اس لیے مریض کے فوت ہونے یا عضو کے ناقص ہونے کی صورت میں ڈاکٹر کو ضامن نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔شریعت اور عقل کا اذن:

یعنی جو کام شرعی اور عقلی لحاظ سے جائز اور مشروع ہے اسے ضمان کا باعث نہیں ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ

کل ماهو ماذون شرعا لیس فیه ضمان ماتلف لاجله و کل ماهو غیر ماذون فیه ،ففیه الضمان (۲۴)

بنابرایں چونکہ بیمار کے علاج اور معالجے کی شریعت نے اجازت دی ہے لہذا بیمار کے فوت ہونے یا اس کے اعضاء میں نقص کی صورت میں طبیب کو ضامن نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔معصومینؑ سے منقولہ روایات:

جن سے طبیب کی عدم ضمان ثابت ہوتی ہے۔مثلا اسماعیل بن حسن (جو کہ طبیب تھا) کی روایت ہے۔وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ میں عربی ہوں اور علم طب جانتا ہوں عربی طریقے سے طبابت کرتا ہوں اور لوگوں سے معائنے کی فیس بھی نہیں لیتا ہوں، آپ نے فرمایا: کوئی ہرج نہیں ہے۔میں نے پھر پوچھا کہ ہم زخم کو چیر کر آگ سے جلاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔میں نے عرض کیا: ہم مریضوں کے لیے زہریلی دوائیاں تجویز کرتے ہیں؟ فرمایا: کوئی ہرج نہیں ہے۔میں نے پھر پوچھا: ممکن ہے بیمار مرجائے، انہوں نے فرمایا: بیشک مرجائے۔(۲۵)

ایک اور روایت میں یونس بن یعقوب نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام صادق - سے پوچھا۔ایک شخص (طبیب) کسی دوا کو تجویز کرتا ہے یا کسی رگ کو کاٹتا ہے اور ممکن ہے وہ دوا یا رگ کا کاٹنا سودمند ثابت ہو یا برعکس ہو اور مریض کی جان لے لے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ رگ کاٹ سکتا ہے اور دوا تجویز کرسکتا ہے۔(۲۶)

تیسری روایت احمد بن اسحاق کی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میرا ایک بیٹا تھا اس کے (گردے یا مثانے) میں پتھری تھی، مجھے کہا گیا کہ اس کے آپریشن کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔لیکن جب اس کا آپریشن کیا گیا تو فوراً مر گیا۔بعض شیعوں نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے بیٹے کے خون میں شریک ہو، مجبوراً میں نے امام حسن عسکریؑ کو ایک خط لکھا اور پورا واقعہ بیان کیا امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا: تم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کیونکہ تمہارا مقصد علاج تھا لیکن اس کی موت اسی میں تھی جو تم نے عمل انجام دیا۔(۲۷)

پس ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ضامن نہیں ہے۔

فریقین کے دلائل:

فقہی کتابوں اور فقہا کے بیانات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے، انہوں نے طرفین کے ادلہ پر تنقید اور اعتراضات کیے ہیں لیکن مجموعی طور پر مشہور نظریے پر ہونے والے اعتراضات قابل ردّ ہیں جبکہ غیر مشہور نظریے کے دلائل زیادہ معتبر اور قواعد کے مطابق ہیں۔

مشہور نظریے کے دلائل پر ایک اعتراض یہ ہے کہ سکونی کی حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ علم رجال میں سکونی کو ضعیف راوی شمار کیا گیا ہے لہذا سکونی کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور فقہا کا اس پر عمل کرنا اس کے ضعف کی تلافی کرتا ہے۔یعنی جب حدیث کا متن فقہا کے ہاں قابل قبول ہے اور انہوں نے اس پر عمل کیا ہے تو یہ اس سے اس کے سند کی کمزوری کی تلافی ہو جاتی ہے۔

دوسری روایت یعنی ختّان (ختنے کرنے والا) کی ضمان پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔

یہ ضمان اس صورت میں ہے جب اس نے حد سے تجاوز کیا ہو جبکہ روایت میں کہیں پر بھی تعدی اور تفریط کی بات نہیں ہے۔اسی طرح اجماع کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے کیونکہ بعض فقہا کے نزدیک اصل میں اجماع حجت ہی نہیں ہے۔یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ اجماع یقینی طور پر ادلہ اربعہ میں سے ایک ہے البتہ کسی فقیہہ کی رائے ایک الگ مسئلہ ہے اور یہاں پر تو اجماع مدرکی بھی نہیں ہے جیسا کہ بعض نے دعویٰ کیا ہے۔البتہ اگر کہیں پر خود اجماع کا وجود مسلم اور معلوم نہ ہو یا اس کا مدرکی ہونا مسلم ہو تو یہ ایک الگ بحث ہے۔

لیکن ایک طرف تو یہ احباب کہتے ہیں کہ روایت ضعیف اور قابل عمل نہیں ہے دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ پوری تاریخ میں اس روایت ضعیف کی وجہ سے طبیب کی ضمان پر اجماع کیا ہے۔پس اگر اجماع مدرکی ہے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ فقہا کی نظر میں یہ روایت معتبر تھی اور وہ اسے قابل عمل سمجھتے تھے اگرچہ وہ روایت کو ضعیف جانتے تھے پس اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ یہ بات معقول نہیں ہے کہ ایک ضعیف روایت کی خاطر پوری تاریخ میں فقہا نے طبیب کی ضمان پر اجماع کیا ہو۔

غیر مشہور نظریے کے دلائل پر اعتراضات (۲۹)

دلیل اوّل یعنی اصل برائت:

اہل فن پر ہرگز پوشیدہ نہیں ہے کہ ادلہ لفظیہ کی موجودگی میں اصل عملی جیسے اصل برائت کی نوبت نہیں آتی۔

دلیل دوم: یعنی مریض یا اس کے سرپرست کی اجازت:

یہ دلیل بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ علاج کی اجازت دینے کا اتلاف یا نقص عضو کی اجازت دنیا قطعاً نہیں ہے یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ مریض نے اجازت دی ہے بلکہ بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا مریض ڈاکٹر کو مارنے یا عضو کے ضائع کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔

دلیل سوئم: یعنی اذن شرعی:

اس دلیل کے بارے میں وہ ضمان کے باعث نہیں ہیں لیکن اگر اس کی وجہ سے جان یا کوئی عضو ضائع ہوجائے تو ضمان کا باعث ہے اور سب سے واضح تر بات یہ ہے کہ ختنہ شرعی طور پر واجب ہے اور ختان یقیناً اس کام کے لیے مجاز ہے اس کے باوجود جب نقصان کا باعث بنا تو امیر المومنینؑ نے اس کے ضامن ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

دلیل چہارم: یعنی روایات

(اسماعیل بن حسن، یونس بن یعقوب اور احمد بن اسحاق کی روایت) بنیادی طور پر مسئلہ ضمان یا عدم ضمان کو بیان ہی نہیں کر رہی ہیں بلکہ اقدام معالجہ کے جواز کو بیان کر رہی ہیں چاہے نتیجہ مریض کی موت کی صورت میں ہی نکلے۔ یعنی یہ روایات اس جہت کو بیان کرتی ہیں حتی موت کے احتمال کی صورت میں بھی علاج و معالجہ کا اقدام اٹھانا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ فوت ہونے یا اعضاء میں نقص پیدا ہونے کی حالت میں طبیب مریض کا باپ ہے۔ بنابرایں دلائل کی روشنی میں طبیب کی ضمان کا حکم لگانا اقویٰ ہے۔ بالخصوص اس نکتے کی وجہ سے جو سکونی کی روایت سے حاصل ہوتا ہے کہ اگر شریعت کی رو سے طبیب ضامن نہ تھا تو امام علیؑ نے طبیب کی عدم ضمان کے سلسلے میں برائت کے حاصل کرنے کو ذریعہ کیوں بنایا اور مسئلہ کے حل کے لیے طریقہ کار کی نشاندہی کی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ کہا جاتا کہ طبیب ضامن نہیں ہے۔ ہم نے بحث کے آغاز میں کہا تھا کہ ہماری بحث و گفتگو کا محور کم علم، ناتجربہ کار اور لاپرواہی کرنے والا طبیب نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ برائت کے حصول کا مسئلہ ان سے متعلق ہے۔ پس برائت کے حصول کا سہارا لینا اس بات کی دلیل ہے کہ طبیب اوّلاً اور بذات خود ضامن ہے اور ثانیاً و بالعرض یعنی برائت نامہ کے حصول کے بعد ضامن نہیں ہے جو کہ ہماری گفتگو کا اگلا موضوع ہے۔

۳۔ضمان طبیب کے زائل ہونے کے عوامل:

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ ایک طرف تو قواعد اور ادلہ کی رو سے طبیب ضامن ہے اور دوسری طرف ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی ڈاکٹر کو یہ علم ہو کہ مریض کے فوت ہونے یا اس کے کسی عضو کو نقصان پہنچنے کی صورت میں اسے دیت / جرمانہ ادا کرنا پڑے گا تو وہ کبھی بیمار کے علاج کے لیے تیار نہیں ہوگا اور مجبوراً مریضوں کی حالت ناگفتہ ہو جائے گی اور علاج ومعالجہ جو کہ ایک الٰہی اور عقلی حکم ہے متروک ہو جائیگا۔ چنانچہ اس بارے میں غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے۔اس کے لیے اب تک دو راہ حل سامنے آئے ہیں جن کی بناء پر طبیب ضامن نہیں ہوگا۔وہ دو راہ حل درج ذیل ہیں۔

ا۔ برائت نامے کا حصول: (۳۰)

فقہا کا متفقہ نظریہ ہے کہ علاج سے پہلے مریض یا اس کے وارث سے برائت نامہ حاصل کر لینے سے ضمان ختم ہو جاتی ہے،اس کی بہترین دلیل سکونی کی روایت ہے۔ جسے امام صادقؑ نے امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے ،جس کے مطابق طبیب ضامن ہے مگر یہ کہ اس نے برائت نامہ حاصل کیا ہو۔

"من تطبب اوتبیطر فلیا خذ البرائة من ولیه والا فهوله ضامن"

معالجہ سے پہلے برائت نامے کے حاصل کرنے میں صرف ایک یہ اعتراض ہے کہ یہ کام فقہا کی اصطلاح میں مشہور قاعدہ "اسقاط مالم یجب" کا مصداق ہے یعنی حق کے ثابت ہونے سے پہلے اسے معاف کر دیتا ہے کیونکہ ابھی کوئی نقصان واقع نہیں ہوا کہ مریض یا اس کا وارث اسے طبیب کے ذمے سے ختم کر دے۔

اس اعتراض کا دو طریقوں سے جواب دیا جاتا ہے۔

اوّل یہ ہے کہ اپنے حق کو معاف کرنے کے لیے اسکا قطعی طور پر ثابت ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اتنا کافی ہے کہ حق کے ثبوت کے لیے زمین ہموار ہو تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے مریض کے علاج ومعالجے کے سلسلے میں حق کے ثبوت کے لیے راہ ہموار ہے اگر چہ یہ علاج ومعالجہ کو شروع کرنے سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔

دوم یہ کہ اس حق کا معاف کرنا "عقد کے ضمن میں شرط" کے عنوان سے مریض کے علاج کے مسئلہ میں آسکتا ہے۔یعنی جس طرح عقد بیع کے ضمن میں تمام خیارات کو ختم کیا جا سکتا ہے حالانکہ بعض خیارات جیسے خیار مجلس،خیار حیوان اور تاخیر ثمن کی راہ معاملے کے انجام پانے سے ہموار ہوتی ہے۔مریض کے علاج کے حوالے سے بھی بیمار کے علاج کے لیے طبیب کے ساتھ عقد اجارہ کے ضمن میں اس حق کو معاف کیا جا سکتا ہے بنا برایں علاج ومعالجے کی ضرورت کے پیش نظر اور ضمان کی صورت میں طبیب کا علاج کے لیے آمادہ نہ ہونے کے خدشے کی وجہ سے برائت نامے کے صحیح ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

سوال: اب جبکہ یہ معلوم ہو گیا ہے کہ برائت نامے کا حصول ضمان کے زائل ہونے کا موجب ہے اب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ برائت نامہ کس سے حاصل کیا جائے۔

جواب: برائت نامہ سب سے پہلے خود مریض سے حاصل کیا جائے گا، لیکن نابالغ ہونے، دیوانہ ہونے کی صورت میں اس کے وارث یا سرپرست سے برائت حاصل کی جائے گی اسی طرح اگر عاقل اور بالغ ہونے کے باوجود برائت نامہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو مثلاً ایک ایسا مریض ہے جس کے آپریشن میں ۵۰ فیصد خطرہ ہے اگر آپ اس مریض کو ایسی صورتحال سے آگاہ کریں گے تو نفسیاتی طور پر اس کا بہت برا اثر مرتب ہوگا اور ممکن ہے یہ خطرہ حتمی ہو جائے۔ ان مقامات پر مریض کے وارث یا سرپرست سے برائت ضروری ہے سرپرست سے مراد باپ یا دادا ہے اگر وہ نہ ہوں تو پھر حاکم شرع ہے اگر وہ دسترس میں نہ ہوں (غالبا ایسا ہی ہے) تو اس کے نزدیکی رشتہ ار جو انتہائی سمجھدار اور عاقل ہوں، تقویٰ کے لحاظ سے قابل اعتماد ہوں تو عادل مومنین کے عنوان سے مریض کی سرپرستی کی ذمہ داری ادا کریں گے۔

۲۔ عرف اور عادت:

بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ قدیم الایام سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ ڈاکٹر حضرات مریضوں کی موت، یا روحانی یا جسمانی نقصان کی صورت میں ذمہ دار قرار نہیں پاتے اور یوں عرف اور عادت حقوق کے ایک مبنی کے طور پر طبابت کی وجہ سے ہونے والے نقصانات سے ڈاکٹر کے بری الذمہ ہونے کا سبب ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ عرف و عادت اور علاقائی رسم و رواج پرانے زمانے میں قانون کا مصدر اور منبع کے طور پر جانے جاتے تھے لیکن آج کے دور میں ان کا کوئی اثر نہیں ہے یعنی عمومی اور خصوصی قوانین کی موجودگی میں عرف و عادت کسی حکم یا حق کو ثابت نہیں کر سکتے اور نہ کسی ثابت شدہ حق کو ختم کر سکتے ہیں۔

اس لیے آئین کے شہریت کے باب میں آرٹیکل نمبر ۳ میں آیا ہے کہ عدالتیں مقررہ شدہ قوانین کی بنیاد پر فیصلے کرنے کی پابند ہیں پس قوانین کی موجودگی میں عرف و عادت تک نوبت نہیں پہنچتی۔ جبکہ قوانین طبیب کو ضامن گردانتے ہیں۔

۳۔ سوء نیت اور عمد کا نہ ہونا:

اس نظریے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ڈاکٹر انسانی جذبے اور انسانی مقصد کے لیے مریض کا علاج یا آپریشن کرتا ہے لہذا اسے ذمہ دار اور مسئول نہیں ہونا چاہیے۔

ممکن ہے یہ نظریہ بعض موارد میں ڈاکٹر کی ذمہ داری کو تعزیری لحاظ سے معافی کی توجیہہ کر سکے یعنی ڈاکٹر سے قصاص تو نہیں لیا جا سکتا لیکن ڈاکٹر کی شہریت کے قانون سے معافی کا مبنی نہیں بن سکتا چنانچہ ڈاکٹر کی ضمان کے دلائل کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ قاعدہ اتلاف میں عمد و ارادہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے کوتاہی اور قصور کا کوئی کردار نہیں ہے بلکہ اگر شخص کے عمل اور تلف ہونے میں سببیت کا تعلق موجود ہے تو یہی ضمان کے وجود میں آنے

کے لیے کافی ہے۔اس بناء پر اور قصد کا تعزیری حوالے سے کوئی کردار ہوسکتا ہے لیکن شہریت کے قوانین کے عنوان سے نہیں۔

۴۔مریض کی اجازت اور راضی ہونا:

بعض افراد کی رائے ہے کہ علاج کے لیے مریض کی اجازت اور اس کا راضی ہونا طبیب کی ضمان کے خاتمہ کا باعث ہے۔(۳۱) لیکن جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ مریض کے علاج کے لیے اجازت اور راضی ہونا، اتلاف اور نقص عضو کی اجازت نہیں ہے۔مریض کا راضی ہونا طبیب کے عمل کی مشروعیت کو ثابت کرتا ہے نہ کہ ضمان کے خاتمہ کو۔ضیاع اور تلف کی صورت میں اسلامی سزاؤں کے قانون کے آرٹیکل ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۱ اس بارے میں بڑے واضح اور صریح ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ عوامل میں صرف برائت کا حصول ضمان کے ختم ہونے کا سبب ہے نہ کہ دیگر امور۔ لہٰذا اسلامی سزاؤں کے قانون کے مقنن نے صرف برائت کے حصول کی طرف اشارہ کیا ہے اور روایت میں بھی برائت کے حصول پر اکتفاء کیا گیا ہے۔اسلامی سزاؤں کے قانون کا آرٹیکل ۳۲۲ یوں کہتا ہے۔

جب بھی طبیب یا بیطار یا ان کی طرح دیگر افراد مریض کے علاج شروع کرنے سے پہلے مریض یا اسکے ولی یا حیوان کے مالک سے برائت نامہ حاصل کرلیں تو وہ ہونے والے نقصانات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

خلاصہ:

مذکورہ بحث وتمحیص سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر چہ طبیب حاذق، ماہر تجربہ کار اور محتاط ہو اور اسکی طبابت اور معالجہ کی وجہ سے مریض مرجائے یا اس کا کوئی عضو ضایع ہوجائے یا وہ جسمانی قوتوں میں کسی قوت جیسے قوت باصرہ یا سامعہ وغیرہ سے ہاتھ دھو بیٹھے اسی طرح بے اثر علاج یا طبیب کی غلطی سے اسے مالی نقصان اٹھانا پڑے تو طبیب ضامن ہوگا اور اس نقصان کو اس کے مال سے پورا کیا جائے گا۔

لیکن چونکہ یہ امر معاشرے میں عسر و ہرج کا باعث بنتا ہے اور مریض کے علاج معالجے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ضمان کی صورت میں طبیب علاج کے لیے تیار نہیں ہوگا لہذا علاج ومعالجہ کی سہولت کو فراہم کرنے کے لیے فقہا اور قانون دانوں نے طبیب سے ضمان کو ساقط کرنے کے لیے مختلف راہ حل تجویز کیے ہیں۔ان میں سے صرف برائت نامے کا حصول شرعی اور قانونی اعتبار سے قابل قبول واقع ہوا ہے۔لہٰذا اطباء کے لیے ضروری ہے کہ وہ علاج سے پہلے مریض یا اس کے سرپرست سے اسی طرح حیوانات کے ڈاکٹر حیوان کے مالک سے برائت نامہ حاصل کرلیں جیسا کہ آجکل ہسپتالوں میں یہ طریقہ رائج ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۲۔روضہ کافی،ص۲۴۵
۳۔حدیث کافی، ج۵،ص۲۹۲، حدیث۱
۴۔جواہر الکلام، ج۴۳،ص۵۰
۵۔روضہ کافی، حدیث شمارہ۴۴۵
۶۔مسئولیت مدنی ناشیی از خطای شغلی پزشک از شجاعپور یان،ص۶۔۳۵ بہ نقل از المسو ولیتہ الاطباء دکتر ابراشی
۷۔وسائل الشیعہ، ج۱۸،ص۲۲۱
۸۔کنز العمال، ج۱۰،ص۱۵
۹۔اسراء،۳۶
۱۰۔یونس،۳۶
۱۱۔شرایع محقق کتاب الدیات: جواہر الکلام، ج۴۳،ص۴۴: مجمع البرھان محقق اردبیلی، کتاب الدیات، ریاض المسائل ج۲،ص۵۹۶
۱۲۔دیکھیئے جواہر، ج۴۳،ص۴۴ مجمع البرھان، اردبیلی، کتاب الدیات،ص۱: تحریر الوسیلہ، ج۲،ص۵۶۱ مسالہ۵ ومبانی تکملۃ المنھاج، ج۲،ص۲۲۱، مسالہ۲۲۴
۱۳۔مائدہ۳۲
۱۴۔مسئوولیت مدنی پزشک،ص۶۹
۱۵۔روضہ کافی، حدیث۴۴۵
۱۶۔دیکھیے: جواہر الکلام، ج۴۳،ص۴۵ جامع المدارک، خوانساری، ج۶،ص۱۸۸: منتاح الکرامہ، ج۱۰،ص۲۷۰ لمعہ و شرح لمعہ، ج۲ کتاب الدیات: تحریر الوسیلہ، ج۳، کتاب الدیات موجبات ضمان، مسالہ۴: الفقہ سید محمد حسین شیرازی، ج۹۰،ص۴۷ ومبانی تکملہ المنھاج آقای خوی، ج۲ کتاب الدیات، مسالہ۲۲۴ و۔۔۔
۱۷۔وسائل الشیعہ، ج۱۹،ص۱۹۵، باب۲۴ از ابواب موجبات الضمان، حدیث۲،۱
۱۸۔ایضاً
۱۹۔ان قواہد کے بارے میں مزید معلومات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کریں، قواعد الفقھیہ آقای میر حسن بجنوردی و آقای مکارم شیرازی و مسئولیت مدنی دکتر کاتوزیان و حقوق مدنی، ج۲، مقالہ نگار کی کاوش

۲۰۔ جواہر الکلام، ج ۴۳، ص ۴۶، وشرائع محقق حلی، ومبانی تکملہ المنہاج، ج ۲، ص ۲۲۱ وغنیۃ ابن زہرہ وشہید ثانی در شرح لمعہ و۔۔

۲۱۔ سرائر، کتاب الحدود، باب النفوس

۲۲۔ الفقہ، ج ۹۰، ص ۷۶

۲۳۔ مسئولیت مدنی پزشک، از شجاعپوریان زیر نظر دکتر کاتوزیان

۲۴۔ تحریر الوسیلہ، ج ۲، ص ۵۶۵

۲۵۔ روضہ کافی، ص ۴۔۱۹۳، حدیث ۲۲۹، ۲۳۰

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ کافی

۲۸۔ ان اعتراضات کے حوالے سے مزید مطالعہ کے لیے دیکھیں، کتاب (الفقہ) شیرازی، ج ۹۰ و مسئولیت مدنی پزشک از شجاعپوریان

۲۹۔ دیکھیے جواہر الکلام، ج ۴۳ و جامع المدارک، ج ۶ و۔۔۔

۳۰۔ جواہر الکلام، ج ۴۳، ص ۴۴ لمعہ و شرح لمعہ، کتاب الدیات: سرائر، کتاب الدیات: تحریر الوسیلہ، ج ۲، کتاب الدیات جامع المدارک، ج ۶، کتاب الدیات: مبانی تکملۃ المنہاج، ج ۲، کتاب الدیات و۔۔۔

۳۱۔ ان میں سے بعض باتیں شجاعپوریان کی کتاب مسئولیت مدنی پزشک سے نقل کی گئی ہیں البتہ اختلاف نظر کے ہمراہ

☆☆☆☆☆

مسلمان کو اس وقت تک دوا استعمال نہیں کرنا چاہیے جب تک اس کا مرض اس کی صحت پر غالب نہ آجائے۔
جن کے امراض بڑھ جاتے ہیں اس کی شفا سمجھ میں نہیں آتی۔
جسم کی صحت حسد کی قلت سے ممکن ہے۔
حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام

ختم نبوت..................حکمت،ضرورت اور نتیجہ

ثاقب اکبر☆

ختم نبوت اور کمالِ عقل انسانی:

ختم نبوت کے حوالے سے یہ بحث بہت بنیادی ہے کہ کیا یہ عقل انسانی کے بلوغ اور کمال کی طرف اشارہ ہے۔خود اس سوال کے اندر ایک سوال اور پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ کیا کمال عقل نبوت اور وحی کی ضرورت سے بے نیاز کر دیتا ہے؟ یعنی یہاں اس بحث کا دروازہ کھلتا ہے کہ کیا نبوت کی ضرورت انسانی شعور کے دورِ ناپختگی میں ہے اور جب انسانی شعور پختہ ہو جائے تو پھر اسے نبوت اور وحی کی راہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ ایک بڑی معرکۃ الآرا بحث ہے۔ اسے کھولنے کے لیے ہم مثال کے طور پر یہ عرض کرتے ہیں کہ بچپن میں ماں باپ اپنی اولاد کو حکم دیتے ہیں اور اس کی دلیل کم تر بیان کرتے ہیں۔ بچہ جوں جوں بڑا ہونے لگتا ہے تو ماں باپ اپنے حکم کی دلیل اور وجہ بھی بیان کرنے لگتے ہیں۔ جب بچہ عقلی لحاظ سے رشد و کمال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر ایسا مرحلہ آ جاتا ہے جب بالعموم روزمرہ امور میں ماں باپ کی راہنمائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ ان کے تجربات سے پھر بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ کیا انسانوں کے لیے نبوت کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے؟ یعنی جب ابھی بشریت کا دورِ اولین تھا تو اس کی انگلی پکڑ کر اسے راستہ چلانے کی ضرورت تھی۔ اسے دلیل بتائے بغیر امر و نہی کیا جانا چاہیے تھا۔ گویا آسمان سے اس کے لیے قوانین اور احکام کے بیان کی ضرورت تھی جو انبیاء کے توسط سے اس تک پہنچتے رہے اور جوں جوں مجموعی طور پر انسانی شعور پختہ ہوتا چلا گیا تو اسے اس کی ضرورت کم تر پیش آنے لگی۔ یہاں تک کہ انسانی معاشرہ کمال کی اس منزل تک آ پہنچا کہ اب اسے آسمانی ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت نہ تھی جس کی وجہ سے سلسلۂ نبوت کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

اگر بات کو اس طرح سے درست مان لیا جائے تو پھر آج کے انسان کو کسی نبی کی تعلیمات کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا تمام آسمانی کتابیں بھی اس صورت میں دورِ قدیم کے انسانوں کو دی گئی راہنمائی کے لیے ایک ریکارڈ اور دستاویز سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

جو لوگ ختم نبوت کے اس مفہوم کے قائل ہوئے ہیں ان میں اور مغرب کے بعض ایسے فلاسفہ میں عملاً کوئی

☆محقق،دانشور،شاعر،صدر نشین،البصیرہ،اسلام آباد

فرق نہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ مذہب دورِ علم سے ماقبل کے انسانوں کا ساختہ و پرداختہ ہے۔اسی طرح وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاءمخلص انسان تھے لیکن انسانی شعور کی ناپختگی کی وجہ سے انھیں انسانوں کی راہنمائی کے لیے نبوت اور آسمانی ہدایت کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنا پڑا اور آج جب کہ انسان عقلی لحاظ سے رشد کے دور میں داخل ہوگیا ہے، اسے ضرورت نہیں رہی کہ آسمانی ہدایت یا وحی کے نام پر اس کی بھلائی کی کوئی بات اسے پیش کی جائے کیونکہ وہ اپنا اچھا برا بہتر طور پر سمجھنے لگا ہے۔

ختم نبوت اور معارفِ الٰہی کی تکمیل:

ہماری رائے میں اسلام کا تصورِ ختمِ نبوت اس تعبیر وتشریح سے ہم آہنگ نہیں ہے اگر چہ اسلام بھی ختمِ نبوت کے لیے دین کی تکمیل و تتمیم کا مدعی ہے۔جیسا کہ قرآن حکیم کی یہ مشہور آیت ہے:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا.(۱)

آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لیے اس اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگیا۔

یہ آیت اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا اور دین اسلام کے معارف رفتہ رفتہ انسانیت تک پہنچتے رہے۔یہاں تک کہ آخری پیغمبر تک معارف کی اس ترسیل کا سلسلہ مکمل ہوگیا۔تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا اس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامَ.(۲)

بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

آیۂ تکمیل دین جہاں دینی معارف کی تکمیل کی طرف اشارہ کرتی ہے وہاں کمالِ نبوت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کیونکہ کامل ترین معارف کے حامل نبی کی نبوت کو بھی مقامِ کمال پر ہونا چاہیے۔جہاں تک انسانی معاشرے اور انسانی عقل کے درجۂ کمال تک پہنچنے کا تعلق ہے نظریۂ ختم نبوت لازمی طور پر اس کی حکایت کرتا ہے لیکن اس معنی میں نہیں جس کا سطورِ بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن کا محفوظ رہنا ایک اور دلیل ہے:

اس سلسلہ میں قرآنی نظریہ قرآن ہی سے ثابت ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ .(۳)

یقیناً ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کے لیے اترا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کو ہمیشہ ہمیشہ اس کی ضرورت رہے گی۔ گویا محمد مصطفیٰؐ کی نبوت اور آپؐ کے توسط سے پہنچنے والا دین کامل باقی رہے گا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے خاتم النبینؐ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب انسانوں کو نبی، نبوت اور وحی کی ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وحی اور آسمانی پیغام اور تعلیم کے محفوظ ہوجانے کی صورت میں کسی اور صحیفۂ ہدایت کی انسانوں کو ضرورت نہیں۔ آخری نبی کی تعلیمات کا استمرار اور ان کی بقا انسانوں کو مزید کسی نبی، نبوت اور انسانی ہدایت سے بے نیاز کردیتی ہے۔

قرآن حکیم کے محفوظ رہنے کا نظریہ بھی انسانی معاشرے کے ارتقاء اور رشد کی گواہی دیتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اب انسانی معاشرہ ایسے مرحلے میں داخل ہوگیا ہے کہ وہ آسمانی ہدایت کے ایسے صحیفے کی حفاظت کرسکتا ہے جو الٰہی معارف کی کامل صورت کا حامل ہے۔ خارج پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تو یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کی تاریخ جتنی صاف ہے اور جس طرح سے یہ نسل در نسل سینوں سے سینوں میں منتقل ہوا ہے اور جس طرح سے اس کی حامل امت مقامی اور زمانی اعتبار سے مسلسل چلی آرہی ہے اس کے بارے میں تاریخ جاننے سے بھی ایک محقق بے نیاز ہوجاتا ہے چہ جائیکہ نوبت نسخوں کے تقابلی مطالعے تک جا پہنچے۔ ہر دور میں اس کے متن کے حفاظ اتنی کثرت سے موجود رہے ہیں کہ جس کی مثال نہ امتوں میں ملتی ہے نہ ملتوں میں۔

معراجِ مصطفیٰؐ اور ختم نبوت:

ختم نبوت کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے حضرت رسول اکرمؐ کے مقامِ معنوی و روحانی اور انسانیت میں آپؐ کے درجۂ کمال پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ انسان اپنی صلاحیت اور منصب کے لحاظ سے اشرف المخلوقات ہے اور اس اشرفیت کا کامل ترین ظہور آنحضرتؐ کی ذاتِ والا صفات میں ہوا ہے۔ انسانی شرف کی ممکنہ بلند ترین چوٹی پر آپؐ جا پہنچے ہیں۔ آپؐ کی معراج بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ ایک لحاظ سے علامہ اقبالؒ نے معراج مصطفویؐ کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی پہلو کی نشاندہی کی ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے　　کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں (۴)

انسانی ملکات و استعدادات اپنے اعلیٰ ترین امکان میں آنحضرتؐ کی ذات میں مجسم ہوچکی ہیں۔ یہ مقام اور معارف الٰہی کا کمال آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ اور ملائکہ کا آنحضرتؐ پر درود بھیجتے رہنا یعنی تمام تر کائنات کے باطن کا مسلسل آپؐ کے مقام بلند پر آفرین و تحسین کہتے رہنا اور پھر تمام پاک باطن انسانوں کو بھی دعوت دینا کہ وہ بھی باطنِ کائنات کی آواز میں اپنی آواز ملائیں اسی حقیقت کی طرف ایک اور اشارہ ہے۔ ایسے

وجود ذی جود کے ظہور کے بعد اس کے اسوۂ کاملہ کا صفحاتِ تاریخ سے محو ہوجانا تو کائنات کے عظیم الٰہی منصوبے کے ناکام ہوجانے کے برابر تھا لہٰذا ایسا اہتمام کیا جانا ضروری تھا کہ آنحضرتؐ کا اسوۂ کاملہ اپنی تمام تر تجلیوں اور رعنائیوں کے ساتھ باقی رہے اور ایسا ہی ہوا ہے۔ آپؐ کے کردار و رفتار اور اسوہ و سیرت کا بلند مینار کائنات میں ہر طرف ہدایت کی کرنیں بکھیرتے ہوئے پوری تابانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس صورت میں اگر نبی کی ضرورت ایک زندہ و جاوید انسانی نمونے کے لیے ہوتی ہے تو وہ باقی ہے۔ آپؐ کا ذکر کل بھی رفیع تھا اور آج بھی رفیع ہے اور اللہ کا وعدہ برحق ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ.(۵)

اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

آنحضرتؐ کے وارثان علم:

آنحضرتؐ کے کشادہ سینے پر اترنے والے معارف کی تابانیوں نے آپؐ کی امت میں بھی حاملین معارف الٰہی کو وجود بخشا۔ رسول اللہ خود فرما چکے ہیں کہ

میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل سے افضل ہیں۔(۶)

ظاہر ہے یہ عام علماء و فقہا کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ''رٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْم''(۷) ہیں۔ آپؐ کی امت میں اور آپؐ کے شاگردانِ خاص میں امیر المومنین حضرت علیؑ کا مقامِ بلند ایسا ہے کہ اگلوں اور پچھلوں میں جس کی مثال نہیں ملتی۔ امام علیؑ کے علاوہ تاریخ بشریت میں اس دعوے میں صادق کوئی نہیں گزرا کہ:

سلونی سلونی قبل ان تفقدونی(۸)

پوچھو پوچھو مجھ سے اس سے پہلے کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں۔

اسلام میں ایسی ہستی کا وجود آنحضرتؐ کے معارف کاملہ کے کمال کا مظہر ہے۔ آسمانی صحیفے کے لفظوں اور متن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ایسی ہستیوں کے وجود نے اس کے مطالب و مفاہیم کی حفاظت کا بھی بندوبست کر دیا۔ آنحضرتؐ پہلے ہی اس امر کی نشاندہی کر چکے تھے، آپؐ نے امام علیؑ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

تُقَاتِلُ عَلَی التَّاوِیْلِ کَمَاقَاتَلْتُ عَلَی التَّنْزِیْلِ

جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی ہے تم تاویل قرآن پر جنگ کرو گے۔(۹)

علاوہ ازیں اپنی عترت کو قرآن کے ساتھ قرار دے کر قرآن کے مقاصد کی حفاظت ہی کے بندوبست کی

طرف اشارہ فرمایا:

انی تارک فیکم الثقلین اما ان تمسکتم بهما لن تضلوا کتاب الله

وعترتی أهل بیتی فا انهما من لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض.(۱۰)

میں تم میں دو ایسی گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن سے وابستہ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہل بیت اور یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آ پہنچیں

اس سے دو نتیجے واضح طور پر برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ قرآن کے متن کے ساتھ ساتھ اُس کے معارف ومفاہیم کی حفاظت کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔

۲۔ رسول اسلامؐ پر کامل ہونے والے دین اسلام کے معارف میں وہ قوت موجود ہے جس کی برکت سے نہایت بلند مرتبہ باکمال لوگوں کا ظہور ہوتا رہے گا جن میں سے بعض انبیائے بنی اسرائیل جیسے یا بعض اُن سے بھی بلند مرتبہ ہوں گے۔

ان دونوں نتائج کی مدد سے تیسرا نتیجہ بھی آسانی سے نکل آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اب بھی باکمال لوگ پیدا ہوتے ہیں:

ہماری اس گفتگو سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کیا ختم نبوت اس امر کی دلیل ہے کہ اب بڑے باکمال لوگوں کی پیدائش کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے مطالب بالا کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نہیں بلکہ باکمال لوگوں کی پیدائش وظہور جاری وساری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی دور میں ایسے افراد نسبتاً زیادہ ہوں اور کسی دور میں کم۔

یہ گفتگو ہمیں ایک اور مرحلے میں بھی داخل کر دیتی ہے اور وہ یہ کہ کیا انسانی مقام کی بلندی فقط نبی ہونے میں منحصر ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبوت ایک بڑا منصب ہے اور نبی بڑے انسان ہی ہوتے تھے لیکن اس امر پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے کہ غیر نبی روحانی ومعنوی مقام میں بلند مقامات کا حامل نہیں ہو سکتا۔(۱۱) ختم نبوت کے نظریے کو عظیم و باکمال انسانوں کی پیدائش کے خاتمے کا نظریہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہماری رائے میں محمد مصطفیؐ جیسے عظیم ترین انسان کی پیدائش اور آپؐ کی تعلیمات ومعارف کے نتیجے میں عظیم روحوں کا ظہور عین فطری اور عقلی ہے۔ کامل ترین معارف کے نتیجے میں کامل ترین پیروانِ خاتم النبیین کو ظہور میں آنا چاہیے۔ ختم نبوت تو کمال آفریں ہے نہ کہ زوال انسانی کی دلیل۔ سورۂ واقعہ کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ O اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ O فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ O

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ O وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ O(۱۲)

اور سبقت لے جانے والے وہی جو سبقت لے جانے والے ہیں، یہی تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قربت پا لینے والے ہیں، یہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے، پہلوں میں ان میں سے ایک بڑی جماعت ہے اور پچھلوں میں ایسے تھوڑے ہیں۔

احکام کی دائمی یا غیر دائمی حیثیت

ختم نبوت کے نظریے سے منسلک ایک بحث شریعت کے احکام کی دائمی یا غیر دائمی حیثیت بھی ہے۔ اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ انبیاء کی تعلیمات کا محور زیادہ تر جہان ماورائے مادہ پر ایمان رہا ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیمات بھی اسی ایمان سے پھوٹتی ہیں۔ الٰہی و کائناتی معارف اپنی گہرائی میں تو مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اپنی حقیقت کے لحاظ سے مختلف نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اخلاقی تعلیمات بھی تمام انبیاء کی ایک جیسی رہی ہیں۔ عبادات سے متعلق انبیاء کی تعلیمات اپنی روح کے لحاظ سے تو مختلف نہیں ہو سکتیں لیکن اپنے تجسم و تشکل میں قدرے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان سب باتوں کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) اس کائنات کا کوئی مالک ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اکیلا ہے، قادر ہے اور سمیع و علیم ہے۔ انبیاء کی تعلیمات کا آغاز اس عقیدے یا نظریے سے ہوتا ہے۔ اس بارے میں کوئی نبی مختلف بات نہیں کر سکتا۔ ایمانیات کی ابتدا بھی، انتہا بھی اور روح بھی یہی عقیدہ ہے۔

(۲) سچ اچھی چیز ہے اور جھوٹ بری چیز ہے۔ ایفائے عہد اچھی چیز ہے اور عہد شکنی بری چیز ہے۔ ہمسایوں کے دکھ سکھ میں شریک رہنا چاہیے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا بہت اچھی اور پسندیدہ بات ہے۔ یہ اور اس جیسی دیگر اخلاقی اور سماجی تعلیمات سب انبیاء میں مشترک رہی ہیں۔ ان میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔

(۳) عبادت اللہ کی کرنا چاہیے، یہ بات تو نہیں بدل سکتی البتہ عبادت کی شکل و صورت، اوقات وغیرہ میں فرق ممکن ہے۔ اسی طرح مختلف انبیاء کے دور میں قبلہ بھی مختلف ہوا ہے لیکن ان تبدیلیوں سے اصل دین میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا یہاں تک کہ قرآن حکیم نے قبلہ کی تبدیلی کا حکم دیتے ہوئے اس امر کو واضح کر دیا:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ(۱۳)

تم جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کا چہرہ ہے

احکام میں تبدیلی کا اصل میدان ''معاملات'' ہیں۔ انسانی سوسائٹی کو چلانے کے لیے جن روزمرہ احکام کی ضرورت پڑتی ہے ان میں تبدیلی کا امکان ہی نہیں ضرورت بھی پڑتی رہتی ہے اور گاہے تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ وہ انبیاء جن کو معاشرے میں کچھ اقتدار حاصل ہوا وہ اس شعبے میں بھی قوانین بیان کرتے رہے۔

یہ قوانین انسانی تجربات کی روشنی میں تشکیل پاتے تھے۔

انبیائے کرام الٰہی تعلیمات کی روشنی میں ان قوانین کا جائزہ لیتے تھے۔ جو رسم ورواج یا رائج قانون ان سے متصادم ہوتا اُن میں تبدیلی کا حکم دیتے تھے۔ ایسے تمام قوانین جن کی شکل گیری میں زمانی ومکانی عناصر کا دخل ہوتا ہے وہ دائمی ہو ہی نہیں سکتے اور انھیں دائمی سمجھنے والوں کو وقت اور سماج کی قوتوں کے مقابلے میں بالآخر شکست ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے قوانین روز اول سے دائمی نہیں ہوتے، چاہے ان کا نفاذ کسی نبی کے دور میں ہوا ہو۔

ختم نبوت کا عقیدہ اس پہلو سے یہ سوال سامنے لاتا ہے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اسلامؐ نے جن قوانین کو متعارف کروایا وہ بغیر کسی تبدیلی کے باقی رہیں گے، چاہے حالات کچھ بھی ہو جائیں؟ نیز جو نئے اور پیش آمدہ مسائل ہوں گے اُن کے بارے میں امت اسلامیہ کیا طرز عمل اختیار کرے گی اور دیگر انسانوں کے لیے کیا نمونہ پیش کرے گی؟ اسی سوال کا جواب دینے کے لیے علماء نے اسلام میں اجتہاد کی گنجائش، ضرورت اور حکمت کا راستہ اختیار کیا ہے۔

نظریۂ اجتہاد دراصل نظریۂ ختم نبوت کا لازمہ ہے۔ اسلام میں اجتہاد کی اجازت اور ضرورت کو تسلیم کر لیا جائے تو عقیدۂ ختم نبوت کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ جمود اور حرفیت پسندی کے امکان کی نفی ہو جاتی ہے بلکہ اس سے آخری نبی کی وارث انسانیت کی علمی، عقلی اور فکری استعداد پر اعتماد کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

اس حوالے سے دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ ایسا نبی جسے رہتی دنیا تک کے لیے تمام انسانیت کے لیے اسوہ ونمونہ کے طور پر باقی رہنا ہے اس کے معاشرتی احکام چند غیر متبدل قوانین اور اصولوں کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔ (۱۴)

ہر دور اور ہر علاقے کے ہر فرعی مسئلے کے لیے دائمی حکم ایسے نبی کے ہاں سے تلاش کرنا نقلی لحاظ سے درست ہے اور نہ عقلی لحاظ سے۔ اس حوالے سے دوسری اہم بات یہ ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف مسائل میں مختلف فقہاء اور ماہرین قانون وشریعت کے استنباطات اور آراء کو شریعت کی حتمی ترجمانی یا شریعت کا دائمی حکم سمجھنا بھی ختم نبوت کے تصور کی نفی ہے۔ کسی فقیہ کا استنباط آج بھی ہمارے لیے مفید اور قابل عمل ہو سکتا ہے لیکن ہمیشہ ہر استنباط اور رائے ضروری نہیں ایسی ہی ہو۔ غور وفکر اور استنباط واجتہاد کا یہ سلسلہ زمان ومکان کے تقاضوں کے مطابق جاری رہنا چاہیے۔

عقل ووحی باہم مدمقابل نہیں:

بعض سوالات اس فہم ناقص کا نتیجہ ہیں کہ عقل ووحی دو متقابل چیزیں ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ باہم متوازی ہیں۔ فلسفے کی اصطلاح میں یہ دونوں ایک دوسری کے عرض میں ہیں حالانکہ قرآن وحدیث کی اس امر

پر واضح شہادتیں موجود ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے طول میں ہیں بلکہ ہماری رائے میں یہ اصطلاح بھی صورت حال کی مکمل عکاسی نہیں کرتی۔ صحیح صورت حال خود قرآن حکیم اور متعلقہ احادیث سے واضح ہوتی ہیں۔ باب مدینۃ العلم امیر المومنینؑ کی تعبیر بہت مددگار ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

فبعث فیهم رسله و اتر الیهم انبیاء ،لیستادوهم میثاق فطرته و یذکروهم منسی نعمته ویحتجوا علیهم بالتبلیغ ویثیروالهم دفائن العقول ویروهم الایات المقدرة.(۱۵)

اللہ نے بنی آدم میں اپنے رسول مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کروائیں، اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔

قرآن حکیم میں تفکر، تعقل اور تدبر کی بار بار دعوت اسی حقیقت کی شہادت دیتی ہے۔ نزول قرآن سے پہلے اور بعد کے عربوں کی گفتگو، خطبات اور ادب میں جو انقلابی تبدیلی دکھائی دیتی ہے وہ اسی تفکر و تعقل کی انگیخت کا نتیجہ ہے۔ رسول اکرمؐ کا اپنے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنا اور انھیں سوال کی اجازت دینا اسلام کی عقلی اور فروغ عقل کی روش کا غماز ہے۔ انسانی فکری صلاحیتوں کو انبیاء نے حرکت دی ہے اور انبیاء کی تحریک نے انسانی شعور کی بالیدگی اور گہرائی میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ قرآن حکیم آج بھی یہ کردار ادا کرتا ہے اور انسانوں کو مسلسل آیات انفس و آفاق میں غور و فکر پر ابھارتا رہتا ہے۔ انسان کی تمام تر مثبت ترقیوں میں انبیاء کی اسی تحریک کے جلوے کارفرما ہیں۔

اس پس منظر میں ختم نبوت کا اعلان اس امر کی پیش گوئی بھی ہے کہ انبیاء کی تحریک اور قرآن جیسی کتاب کی مسلسل دعوت فکر کے نتیجے میں انسانی شعور کی پیش رفت جاری رہے گی اور معنوی و مادی کمالات کا سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا۔

نبی اعلیٰ عقلی و فکری صلاحیت کا مالک ہوتا ہے:

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود نبی کی حیثیت بھی روبوٹ کی سی نہیں ہوتی۔ وہ اعلیٰ عقلی و فکری صلاحیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس کے ملاکات معنوی اور خلوص وللّٰہیت اس پر دانائی، بصیرت اور حکمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ وہ آسمانی و کائناتی حقائق کو سمجھنے لگتا ہے بلکہ اُن کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسے بعض علاقوں میں پہاڑوں کا رُخ، سطح زمین کی سمندر سے بلندی، درختوں اور جنگلات کی کثرت وغیرہ بادلوں کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں نبی کا سینہ بھی الٰہی و آفاقی حقائق کی بارش برسنے کی صلاحیت کا حامل ہوتا ہے البتہ

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ.(۱۶)

ان رسولوں میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت عطا کی ہے.

کے مصداق اس حوالے سے انبیاء کے مراتب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ نبی ہونے کے لحاظ سے اور صدق و صداقت کا علمبردار ہونے کے اعتبار سے تو اُن میں فرق نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن فرماتا ہے

" لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ"(۱۷)

(اور ہم اپنے رسولوں میں سے کسی کے درمیان کوئی تفریق روا نہیں رکھتے)

لیکن درجۂ معرفت میں ضرور فرق ہوتا ہے اور خاتم النبیینؐ ان میں سے بلند ترین منصب پر فائز تھے۔ وہ اپنی عقل وخرد سے بھی دوسروں سے زیادہ اور بہتر کام لیتے تھے اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے پیروکار اندھے مقلد بن جائیں۔ وہ انھیں غور وفکر اور سوال پر ابھارتے۔ خود اُن سے سوال کرتے اور اہل علم سے سوال کرنے کی دعوت دیتے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۱۸)

اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ہو۔

نصوص اور اجتہاد:

اس حوالے سے یہ بات کہنا بھی مناسب ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو غور وفکر سے روکتے ہیں اور اجتہاد کا باب بند کرتے ہیں وہ اسلام کے عظیم مقاصد سے غافل ہیں۔ نیز یہ بات بھی کہنے میں مضائقہ نہیں کہ اجتہاد بمقابلہ نص اور بات ہے اور اجتہاد برائے فہم نص اور بات ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نص ہی کو نہیں بلکہ اُس کی حکمت اور مقصد کو بھی سمجھا جائے۔ جب خود نصوص تفقہ اور تدبر پر اصرار کر رہی ہیں تو نصوص کے وارث کس طرح اس راستے میں حائل ہونے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں۔ یہ تو ختم نبوت کے عقیدے کا ایک ناگزیر تقاضا ہے۔

ختم نبوت اور امت محمدیہ ﷺ کی ذمہ داری:

جب ہم ختم نبوت کے اس مفہوم ومقصد کا اعتراف کر لیتے ہیں تو اس کا یہ بھی لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ دور ختم نبوت میں امتِ محمدیہ کو چاہیے کہ اپنے آپ کو نبوت کی وارث سمجھے اور انبیاء الٰہی کی خالص تعلیمات باقی انسانوں تک پہنچائے۔ اہل فقہ واجتہاد سے لے کر ایک عام امتی تک سب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ورنہ باقی انسانوں کی حجت مسلمانوں کے خلاف ہوگی۔ اس ذمہ داری کی طرف قرآن حکیم کی کئی آیات بھی اشارہ کرتی ہیں۔ بعض آیات میں آنحضرتؐ کی نبوت کو عالمینی نبوت قرار دیا گیا ہے۔ بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے

کہ آپ ساری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔بعض آیات میں صراحت سے فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ آنحضرتؐ سے پیغام لے کر باقی انسانیت تک پہنچائیں۔جس آیت میں مسلمانوں کو ''امت وسط'' قرار دیا گیا ہے اس کا بھی ایک معنی مفسرین نے یہی کیا ہے کہ یہ امت محمد مصطفیٰ ﷺ اور باقی انسانیت کے مابین واسطہ ہے۔

ایسی تمام آیات ہمارے اسی نظریے کی مؤید ہیں کہ اس دور میں ساری امت آسمانی پیغام کو اپنے فکر وعمل کے ذریعے دیگر انسانوں تک پہنچانے میں مکلّف ہے اگر چہ بقول شاعر:

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

اہل علم وفضل کی ذمہ داریاں سوا ہیں اور جوں جوں پایۂ علم ومعرفت بڑھتا جاتا ہے ذمہ داری بھی بڑھتی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی ومصادر

۱۔ (۵۔مائدہ:۳)

۲۔ (۳۔آل عمران:۱۹)

۳۔ (۱۵۔حجر:۹)

۴۔ اقبال،محمد،علامہ:کلید کلیات اقبال اردو(لاہور:ادارہ اہل قلم،
علامہ اقبال ٹاؤن،دسمبر ۲۰۰۵)ص۳۶۴

۵۔ (۹۴۔انشراح:۴)

۶۔ شیخ مفید،محمد بن محمد بن نعمان عکبری بغدادی(م۴۱۳ھ):کتاب المزار،تحقیق:باقر البطحی
(بیروت،دارالمفید للطباعۃ والنشر والتوزیع،۱۹۹۳)باب فضل الکوفہ،ص۶

۷۔ (۳۔آل عمران:۷)

۸۔ نعمانی،محمد بن ابراہیم(م۳۶۰):کتاب الغیبۃ،تحقیق:فارس حسون کریم(قم،منشورات انوار الہدیٰ،طبع اول،۱۴۲۲ھ)
باب۱۴،ص۹۰،ح۱۸

۹۔ طوسی،ابی جعفر محمد ابن حسن(م۴۶۰):الامالی،تحقیق،قسم الدراسات الاسلامیہ،مؤسسہ البعثۃ(قم،دارالثقافۃ،طبع
اول،۱۴۱۴ھ)ص۳۵۱ قندوزی،شیخ سلمان ابن ابراہیم(م۱۲۹۴ھ)ینابیع المودۃ،تحقیق:سید علی جمال اشرف
حسینی(ایران،دارالاسوۃ للطباعۃ والنشر،طبع اول ۱۴۱۶ھ)ج۳،ص۲۷۸،باب۷۵۔نیز کلینی،ابی جعفر محمد بن
یعقوب(م۳۲۸/۳۲۹ھ):الکافی(تہران،دارالکتب اسلامیہ،طبع سوئم)ج۵،ص۱۲،باب وجوہ الجھاد میں ہے
کہ آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے سوال کیا کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ جس طرح سے میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی ہے
تم میں سے کون تاویل قرآن پر جنگ کرے گا۔اس پر صحابہؓ نے عرض کیا:یارسول اللہؐ اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتا
ہے۔حضرت علیؑ جو پاس ہی بیٹھے جوتا گانٹھ رہے تھے آنحضورؐ نے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
یہ جو جوتا گانٹھ رہا ہے۔نیز دیکھیے خصائل صدوق،ص۲۷۶

۱۰۔ صفار،محمد بن حسن،م۲۹۰،بصائر الدرجات،ناشر موسسہ الاعلمی تہران،ایران،طبع ۱۴۰۴ق،ج۷ باب ۱۷،ح
۳،ص۴۳۳ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:کافی ج۱،کتاب الحجۃ باب الاشارۃ والنص علی امیر المومنین،ص۲۹۴،ح۱۔
مسند احمد،ج۳ص۱۴،مسند ابی سعید خدری۔سنن ترمذی،ج۵،باب مناقب اہل بیت،النبی ص۳۲۹،ح۳۸۷۶۔

۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں قرآن حکیم کی یہ آیت اس حوالے سے ہماری رہنمائی کرتی ہے:

وَ اِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ

اور جب ابراہیم کے پروردگار نے بعض کلمات کے ذریعے اُن کا امتحان لیا تو وہ اس میں پورے اُترے (اس کامیابی پر اُس اللہ نے) کہا: ہم تجھے انسانوں کا امام بناتے ہیں۔ وہ کہنے لگے: اور میری اولاد میں سے؟ تو (اُس نے) کہا: میرا یہ منصب ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ (۲۔ بقرہ:۱۲۴)

اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لے رہا تھا تو کیا وہ نبی تھے؟ قرآن حکیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ضرور نبی تھے۔ اُن کا سب سے بڑا امتحان حکم الٰہی سے بیٹے کو ذبح کرنا تھا اور یقیناً اس وقت وہ نبی تھے۔ اس امتحان کی کامیابی کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُO قَدْ صَدَّقْتَ الرویا (الصافات،۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

اور ہم نے ابراہیم کو صدا دے کر کہا: اے ابراہیم! تحقیق تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

ایسے امتحان میں کامیابی کے بعد آپ کو انسانوں کا امام بنایا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے علاوہ بھی مقامات بلند موجود ہیں۔

۱۲۔ (۵۶۔ واقعہ:۱۰تا۱۴)

۱۳۔ (۲۔ بقرہ۔۱۱۵)

۱۴۔ امام علی ابن موسیٰ رضا سے منقول یہ روایت اسی امر کی حکایت کرتی ہے:

علینا القاء الاصول الیکم وعلیکم التفریع

ہمارے ذمہ تمھیں اصول بتانا ہے اور تمھارے ذمہ ان سے فروع کا استنباط ہے۔

حلی، ابن ادریس (م ۵۹۸ھ) مستطرفات السرائر (قم، ایران، موسسہ النشر الاسلامی، ط دوم) ص ۵۷۵

۱۵۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱)

۱۶۔ (۲۔ بقرہ:۲۵۳)

۱۷۔ (۲۔ بقرہ:۲۸۵)

۱۸۔ (۱۶۔ النحل:۴۳)

☆☆☆☆☆

اہل بیتؑ کے اسما مبارکہ کے ساتھ '' علیہ السلام '' کہنے کا شرعی جواز

☆ حجۃ الاسلام آفتاب حسین جوادی

عام طور پر یہ بات مشہو ہے کہ ''علیہ السلام'' صرف انبیاء کرام ؑ اور فرشتوں کے اسماءگرامی کے ساتھ ہی لکھا اور بولا جائے ، اہل بیت ؑ ازواجؓ اور صحابہؓ کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنھم'' استعمال کیا جائے آخر یہ اصول کس نے وضع کیا؟ وضع کندہ کو اس کا اختیار کس نے دیا؟

یہ تعصب بھی کتنی عجیب چیز ہے اس میں مبتلا ہو کر انسان واضح حقیقت اور دوٹوک صداقت سے منہ موڑ لیتا ہے حتیٰ کہ حکم الٰہی سے بھی انحراف کرنے سے قطعاً دریغ نہیں کیا جاتا ہے مثال کے طور پر زیر بحث مسئلہ ہی کو لے لیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی مکرم ﷺ اور ان کی اہل بیت ؑ پر صلاۃ وسلام کا حکم دیتا ہے اور ہم ہیں کہ فرقہ وارانہ تعصّبات کے تحت نبی اکرم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صرف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھ اور بول کر ''والہٖ'' کو حذف کر دیتے ہیں اور آل محمد ﷺ کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ'' کہہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی صریح مخالفت کرنے سے بھی بھی باز نہیں آتے۔

قرآن وسنت کے مقابلے میں کسی شخصیت کے قول کی کیا اہمیت ہے؟ دل ودماغ میں گونجنے والے ان سوالات کو ہم آخر کب تک فرقہ واریت کے خنجر سے ذبح کرتے رہیں گے؟

''علیہ السلام'' کے مفہوم میں آخر کونسی بات پوشیدہ ہے کہ اہل بیت ؑ کے ساتھ اسے استعمال کرنے کی بعض لوگوں کی جانب سے مخالفت کی گئی ہے حالانکہ اللہ رب العزت اسی کا حکم دیتا ہے ایک مسلمان جب کسی دوسرے مسلمان سے ملتا ہے تو کہتا ہے ''السلام علیکم'' مطلب یہ کہ تم پر سلامتی ہو، اور ''علیہ السلام'' کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ان پر سلامتی ہو'' بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم ہر نیک وبد پر سلامتی بھیج سکتے ہیں مگر آل رسول ﷺ پر نہیں، آخر کیوں؟

صلاۃ وسلام کی لغوی تحقیق:

آیئے ہم ان الفاظ کو لغوی اعتبار سے عربی لغت میں دیکھتے ہیں کہ ان کے کیا معنی بیان ہوئے ہیں، سلام کے لغوی معنی ہیں سلامتی، اور صلاۃ کے معنی میں دعا، چنانچہ مشہور ومتداول عربی لغت قاموس جلد۴، صفحہ۲۱۳ طبع مصر میں

☆ محقق، مولف، اُستاذ جامعہ الکوثر، اسلام آباد

والصلاة الدعاء والرحمة والاستغفار حسن الثناء من الله عزوجل على رسوله صلى الله عليه وسلم وعبادة فيها ركوع وسجود

''صلاۃ سے مراد دعاء، رحمت، استغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ﷺ کی اچھی تعریف ہے''

مصباح المنیر جلد اول ۳۲۶ طبع بولاق مصر میں ہے

والصلاة قيل اصلها فى اللغة الدعاء ...وقيل الصلوٰة فى اللغة مشتركة بين الدعاء والتعظيم والرحمة و البركة "

لغت میں لفظ ''صلاۃ'' مشترک ہے اس کے معنی دعا، تعظیم رحمت اور برکت کے ہیں

اسی طرح مختار الصحاح صفحہ ۳۳۳ طبع بیروت میں لکھا ہے

والسلام السلامة

اسی طرح کتب لغت میں سے مغرب جلد اول صفحہ ۲۹۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن میں بھی ہے۔

لہٰذا صلا و سلام لغوی اعتبار سے بھی انبیا ؑ کے علاوہ دیگر شخصیات پر بالاستقلال یا بالتبع کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں کے جو معنی بیان ہوئے ہیں وہ ائمہ اہل بیت ؑ کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔

لغت کی تائید کے علاوہ قرآن وحدیث اور تعامل سے بھی ان کا جواز ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيهِمْ صَلَوٰاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ ورحمة واُولٰٓئِكَ هُمُ المُهْتَدُوْنَ(سورۃ بقرہ آیت ۱۵۷)

ان پر ان کے رب کی طرف سے صلوۃ اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اسم اشارہ اولٰئکَ جمع کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور مشارٌ الیھم وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلی آیات مبارکہ میں مذکورہ صفات سے متصف ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو آزمائش میں پورے اترے مصائب میں صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوات اور رحمت کا انعام ہے اس آیۂ مبارکہ کے بارے میں انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں۔

قوله" اولئک عليهم صلوات من ربهم ورحمة "وفيه دليل على جواز لفظ الصلاة على غير الانبياء عليهم السلام ايضاً ونقل عن الفقهاء قصرها على الانبياء عليهم السلام الا بوساطتهم اقول وهو الذى ينبغى عليه العمل والا فيتساهل الناس فيه فيستعملونها فى كل موضع

نعم لا بدللتفصی فی الا یة من حیلة وما قیل ان الصلاة فیها بمعنی الرحمة فلیس بشی ء فان الکلام فی لفظ الصلاة بای معنی کان

یہی ہیں جب پر ان کے رب کی طرف سے صلوۃ اور رحمت ہے اس میں دلیل ہے کہ لفظ صلاۃ غیر انبیا ÷ پر بھی جائز ہے اور چاروں فقہاء سے صلاۃ کا جواز صرف انبیاء ÷ کے لیے منقول ہے مگر بالواسط دوسروں کے لیے بھی جائز ہے میں کہتا ہوں اسی پر عمل کرنا چاہیے ورنہ لوگ اس میں سستی کریں گے اور اسے ہر مقام پر استعمال کریں گے ہاں آیت سے پیچھا چھڑانے کے لیے کوئی حیلہ تلاش کرنا ضروری ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ صلاۃ بمعنی رحمت ہے یہ قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ کلام لفظ صلاۃ میں ہے، چاہے وہ کسی معنی میں بھی ہو

(فیض الباری ج ۲، صفحہ ۴۲۴، ۶۵ ۴ طبع مجلس علمی ڈابھیل)

پس علامہ انور شاہ کشمیری تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کی رو سے غیر انبیاء ÷ کے لیے صلاۃ کہنا جائز ہے فقہاء اربعہ سے اس کا عدم جواز منقول ہے، سراسر غلط ہے کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے بعض جواز کے قائل ہیں، جب اس کا جواز ثابت ہے تو ممانعت کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، رہا یہ کہ کوئی حیلہ تلاش کرنا چاہیے اس سے قطعی طور پر مخالف قرآن لازم آتی ہے (جواز الصلوۃ والتسلیم علی ذریۃ النبی الکریم صفحہ ۸)

احمد بن حنبل جو حنابلہ کے امام و مقتداء ہیں ان کا نظریہ ہے کہ لفظ ''صلاۃ'' کا اطلاق بالاستقلال غیر انبیا ÷ پر بھی جائز ہے ان کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث مبارکہ ہے:

عن عبد اللہ ابن ابی اوفی قال کا ن النبی صلی اللہ علیه و اله وسلم اذا اتاہ قوم بصد قتهم قال اللهم صل علی ال فلان فاتاہ ابی بصد قته فقال اللهم صل علیٰ اٰل ابی اوفی .

حضرت عبداللہؓ ابی اوفی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس جب کوئی قوم اپنا صدقہ لاتی تو آپ اللھم صل علی آل فلان فرماتے پس میرا باپ بھی آپ کی بارگاہ میں اپنا صدقہ لایا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اللھم صل علیٰ آل ابی اوفیٰ۔

(صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۸۰ مطبعہ میمنیہ مصر)

اس مندرجہ بالا حدیث کی تشریح میں علامہ بدرالدین العینی لکھتے ہیں

۱ .احتج بالحدیث المذکور من جوز الصلاة علیٰ غیر الا نبیاء علیهم الصلاة و السلام بالا ستقلال و هو قول احمد ایضاً

حدیث مذکورہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو غیر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر بالاستقلال صلاۃ کو جائز کہتے ہیں امام احمد بن حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے (عمدۃ القاری جلد اول صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ استنبول) اسی طرح ابن تیمیہ حرانی نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

وذهب الامام احمد واكثر اصحابه الى انه لا بأس بذلک لان علی بن ابی طالبؓ قال لعمر بن الخطاب صلی الله علیک وهذا القول اصح واولیٰ .

امام احمد اور ان کے اکثر اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اس (غیر انبیاء پر صلاۃ وسلام کہنے) میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے عمر بن خطاب کو کہا صلی اللہ علیک اور یہ قول زیادہ واضح اور اولیٰ ہے

(مجموع فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴، ۴۹۶، ۴۹۷ مطبوعہ سعودیہ)

مزید برآں علامہ محمد بن احمد سفارینی ابن قیم الجوزیہ کی مشہور تصنیف ''جلاء الافہام'' سے زیر بحث مسئلہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ''علما کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ انبیا ÷ کے علاوہ دیگر افراد پر بالاستقلال صلاۃ وسلام جائز ہے ہمارے مذہب کے ائمہ میں سے قاضی ابویعلیٰ نے اپنی کتاب ''رؤس المسائل'' میں اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے۔ حسن بصریؒ، خصیف، مجاہد، مقاتل بن سلیمان، مقاتل بن حیان اور بہت سے اہل تفسیر نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے اور یہی نظریہ و مذہب امام احمدؒ کا ہے۔ جس پر ابوداؤد کی روایت میں نص موجود ہے اور ان سے سوال کیا گیا تھا کہ آیا ہے صحیح ہے کہ نبی ﷺ کے سوا کسی پر صلاۃ نہ کیا جائے؟ تو جواب دیا کیا حضرت علیؓ نے عمر بن خطاب کو صلی اللہ علیک نہیں کہا تھا۔ قاضی ابویعلی کہتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، ابن جریر طبری بھی اسی کے قائل ہیں نبی ﷺ کے اپنے بہت سے اصحاب پر صلاۃ کہنے سے استدلال کرتے ہیں جو آپ کے پاس صدقہ لے کر آتے تھے (لوامع الانوار البہیہ جلد اول صفحہ ۵۵ طبع مصر) امام ابوداؤد صاحب السنن کا بھی یہی مسلک ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''السنن'' جو کتب صحاح ستہ میں شامل ہے میں ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور اس کی دلیل میں حدیث رسول اللہ ﷺ پیش کی ہے جیسا کہ ''سنن ابی داؤد جلد اول صفحہ ۲۱۴ مطبع قادری دہلی میں ''باب الصلاۃ علیٰ غیر النبی ﷺ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جابرؓ بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ کو کہا مجھ پر اور میرے شوہر پر صلاۃ پڑھیے، نبی پاکؐ نے فرمایا۔

صلی الله علیک وعلیٰ زوجک

شاہ عبدالعزیز الدہلوی کا فیصلہ:

یہ اہل سنت کے مشاہیر علماء میں ہیں، انہوں نے اپنے فتوی میں ائمہ اہل بیت ÷ اسماء گرامی کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا جائز قرار دیا ہے یہاں سوال و جواب دونوں کو من وعن اردو ترجمہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے تاکہ ہر قسم کے شکوک وشبہات کا قلع وقمع ہو جائے۔

سوال:

تحفہ اثنا عشریہ میں صلاۃ سلام یعنی درود وسلام بالاستقلال بارہ اماموں کے حق میں لکھا ہے حالانکہ یہ امر اہل سنت نے ایسی مشابہت سے پرہیز کرنا اپنے لیے لازم جانا ہے تو اس امر کے جواز کے لیے سند اہلسنت کی کتب معتبرہ سے بیان کرنا چاہیے۔

جواب:

تحفہ اثنا عشریہ میں کسی جگہ صلاۃ بالاستقلال غیر انبیاء کے حق میں نہیں لکھا گیا البتہ لفظ ''علیہ السلام'' کا حضرت امیر المومنین اور حضرت سیدۃ النساء جناب حسنین ودیگر ائمہ کے حق میں مذکورہ ہے اور اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ صلاۃ بالاستقلال غیر انبیاء کے حق میں درست نہیں اور لفظ سلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہہ سکتے ہیں اس کی سند یہ ہے کہ اہل سنت کی کتاب قدیمہ حدیث میں علیٰ الخصوص ابوداؤد، صحیح بخاری میں حضرت علی وحضرات حسنین وحضرت فاطمہ وحضرت عباس کے ذکر کے ساتھ لفظ ''علیہ السلام'' کا مذکورہ ہے البتہ بعض علماً ماوراء النہر نے شیعہ کی مشابہت کے لحاظ سے اس کو منع لکھا ہے لیکن فی الواقع مشابہت بدون کی امر خیر میں منع نہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ پہلی کتاب اصول حنفیہ کی ''شاشی'' ہے اس میں نفس خطبہ میں بعد حمد وصلاۃ کے لکھا ہے ''والسلام علی ابی حنیفہ واحبابہ'' یعنی سلام نازل ہوا بوحنیفہ پر اور آپ کے احباب پر اور ظاہر ہے کہ مرتبہ حضرات موصوفین کا جن کا نام نامی اور اوپر مذکور ہوا ہے حضرت امام اعظم کے مرتبہ سے کم نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک بھی لفظ سلام کا اطلاق ان بزرگوں کی شان میں بہتر ہے اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ لفظ ''علیہ السلام'' کا غیر انبیاء کی شان میں بھی ''علیہ السلام'' کہنا شرعاً ثابت ہے۔

(فتاویٰ عزیزی مترجم صفحہ ۲۳۴، ۲۳۵ مطبوعہ فتاوی عزیزی فارسی جلد اول صفحہ ۸۸، ۸۹ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

انتہائی بددیانتی وخیانت:

بڑے قلبی دکھ ودرد کے ساتھ کہنا پڑھ رہا ہے کہ ''فتاویٰ عزیزیہ'' فارسی ۱۳۱۱ھ کے بعد والے تمام مطبوعہ نسخوں میں خائن وبددیانت ناشرین نے مندرجہ بالا فتویٰ کو مع سوال وجواب حذف کر دیا ہے آج کل جو فارسی مطبوعہ عکسی نسخہ متداول ہے یہ محرف ہے۔ البتہ کراچی سے شائع ہونے والے اردو ترجمہ میں فتویٰ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی طبع کے نسخے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

علامہ عبدالغفار سلفی کا نقطہ نظر:

علاوہ ازیں اہل حدیث کے ایک مشہور اور مستند عالم علامہ عبدالغفار سلفی نے غیر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھنے اور کہنے کے جواز پر فتوی دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے!

سوال:

کیا غیر نبی کو ''علیہ السلام'' اور غیر صحابی کو ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا جائز ہے؟

جواب:

رضی اللہ عنہ اور علیہ السلام دو جملے دعائیہ ہیں غیر نبی اور غیر صحابی پر بھی استعمال کر سکتے ہیں جیسا کہ متقدمین نے لکھا ہے فاطمہ ﷺ، امام حسن -، امام حسین -، علی -۔ حالانکہ نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبیہ تھیں نہ حضرت امام حسن - اور نہ امام حسین - نبی تھے جو ان کو ''علیہ السلام'' لکھا گیا ہے اسی طرح نہ حضرت علیؑ تھے سلف نے امام ابوحنیفہ کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

حالانکہ امام ابوحنیفہ صحابی تو درکنار تابعی بھی نہ تھے التحیات میں آپ اور ہم روزانہ پڑھتے ہیں

السلام علینا وعلی عبا دالله الصالحین

ہاں اگر کوئی شخص کسی غیر نبی کو نبی کو سمجھ کر بطور دعا کے علیہ السلام لکھے یا کہے تو بے شک وہ گمراہ ہے۔ کیونکہ حضور الصلاۃ والسلام کے بعد کوئی سچا نبی نہیں ہوگا

فقط عبدالغفار سلفی غفرلہ خادم جماعت غرباء اہل حدیث۔ الجواب الصحیح، دستخط علماء

(فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۹۵ اطبع رحمانیہ دارالکتب امین پورہ بازار فیصل آباد)

آل محمد ﷺ کے اسماء گرامی کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا استعمال:

ائمہ حدیث اور اکابرین اہل سنت کے ہاں یہی طریقہ رائج رہا ہے چنانچہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد وغیرہ کتب احادیث کے قلمی اور قدیم مطبوعہ نسخوں میں بہت سے مقامات پر حضرت اہل بیت کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھا ہوا موجود ہے اور ان کی مشہور شروحات مثلاً فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ملتا ہے لیکن ان ہی کتب کے بعض مطبوعہ جدید نسخے بددیانت ناشرین کی تحریف کا نشانہ بن گئے اور علیہ السلام کی بجائے ''رضی اللہ عنہ'' لکھا گیا ہے شاید اسی بنا پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑا ہے چنانچہ لکھتے ہیں ''متقدمین میں اہل بیت رسولؐ اور ازواج پر سلام کہنا متعارف تھا اور مشائخ اہل سنت کی پرانی کتابوں میں اہل بیتؑ پر سلام لکھا ہوا پایا جاتا ہے اور متاخرین میں اس کا چھوڑ دینا مروج ہو گیا ہے''۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۲۳۴ نول کشور لکھنو)

چنانچہ خود محدث دہلوی نے اپنی تمام تالیفات میں جہاں کہیں ائمہ اہل بیت ؑ کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے ساتھ ''علیہ السلام'' استعمال کیا ہے جیسا کہ اپنی کتاب ''ما ثبت بالسنۃ'' طبع لاہور میں یوں عنوان قائم کیا ہے

ذکر مقتل سیدنا الامام الشیهد السعید سبط رسول الله الامام ابی عبد الله الحسین سلام الله علیه وعلیٰ ابائه الکرام

اپنی ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں:

درموضع قبور امام حسن وزین العابدین ومحمد باقر وجعفر صادق سلام الله علیهم اجمعین

مدارج النبوۃ جلد۲ صفحہ۵۴۵ طبع نول کشور

(الف) صحیح بخاری مع فتح الباری المطبعۃ الخیریہ مصر جلد ششم کے صفحات ۲۶، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۷۷ پر فاطمہ علیہا السلام لکھا ہے۔

(ب) جلد ششم صفحہ ۱۱۹ میں ''الحسین بن علی علیہما السلام'' تحریر ہے۔

(ج) جلد ششم صفحہ ۳۶۴ پر ''الحسن علی علیہما السلام ہے۔

(د) جلد ہفتم کے صفحات ۵۳، ۵۶، ۱۱۴، ۲۳۶، ۳۴۵ اور ۳۵۵ میں ''فاطمۃ علیہا السلام'' موجود ہے۔

(ھ) جلد نہم صفحہ ۱۰۹ پر ''علی بن حسین علیہما السلام'' ۲۷۴، ۴۰۷ میں ''فاطمۃ علیہا السلام'' تحریر ہے۔

(د) جلد سیزدہم، صفحہ ۳۴۷ پر ''حسین بن علی علیہما السلام'' لکھا ہے۔

اس کے علاوہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ہفتم صفحہ ۲۳۷ مطبوعہ قسطنطنیہ میں ''فاطمۃ علیہا السلام'' ہے ارشاد الباری شرح صحیح البخاری جلد اول صفحہ ۹۷ میں بھی یہی کچھ لکھا ہے۔

(۱) علامہ فخر الدین الرازی نے تفسیر کبیر جلد ۲، صفحہ ۷۰۰ مطبوعہ دار الطباعۃ العامرہ قسطنطنیہ میں لکھا

ھذہ الا یۃ دالۃ علیٰ ان الحسن والحسین علیھما السلام کانا ابنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) ایضاً جلد ہشتم صفحہ ۳۲۲ پر تحریر ہے

ھذہ الآیات نزلت فی حق علی بن ابی طالب علیہ السلام ...فی کتاب البیسط انھا نزلت فی حق علیہ السلام ...ان الحسن والحسین علیھما السلام مرضا ...اخذ علی علیہ السلام بید الحسن والحسین .. .ولا ینکر دخول علی ابن ابی طالب علیہ السلام فیہ ...الذین یقولون ھذہ الا یۃ مختصۃ بعلی علیہ السلام

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری جلد ہفتم صفحہ ۴۱۲ پر لکھا

رواہ احمد عن الحسین بن علی علیھما السلام .. . وروی الطبرانی بسند حسن عن الحسین بن علی علیھما السلام

۱۔ آئمہ اہل بیت ؑ کے لیے ''علیہ الصلاۃ والسلام کہنے سے کس نے منع کیا؟

جب کہ صلوات وسلام ائمہ اہلبیت پر پڑھنا ناقابل رد دلائل سے ثابت ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر میں آل رسول پر صلاہ وسلام پڑھنے کی ممانعت کیوں اور کس بنا پر کی گئی اور کس نے اسے ممنوع قرار دیا اس سلسلے میں ملا علی قاری حنفی، امام حنیفہ کی کتاب ''فقہ اکبر'' کی شرح میں ''لا یصلی علی غیر الانبیاء والملائکۃ'' پر بحث کرتے

ہوئے اس حقیقت کا یوں انکشاف کرتے ہیں ''انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کسی پر صلاۃ نہ پڑھی جائے جو شخص ان کے علاوہ کسی پر بطور تابع صلاۃ پڑھے تو خیر اور اگر مستقل طور پر پڑھے تو وہ غالی شیعہ لوگوں میں سے ہے جن کو ہم روافض کہا کرتے ہیں اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کا معاملہ ایسا نہیں ہے (اس میں کوئی حرج نہیں) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام تو مسلمانوں کی دعاء تحیہ ہے اور ''السلام علیہ'' ہو یا ''علیہ السلام'' دونوں میں کوئی فرق نہیں (اس سے ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیر نبی کے لیے سلام کا استعمال کرنا جائز ہے)

اس کے بعد لکھتے ہیں ''لیکن ''علی علیہ السلام'' کہنا اہل بدعت کا شعار ہے''

(شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ مطبع ہندو پریس پیاری لعل دہلی)

علاوہ ازیں شیخ اسماعیل البروسوی بھی اپنی تفسیر ''روح البیان'' جلد ۷ ص ۲۲۸ طبع استنبول میں شیعہ کے ساتھ مشابہہ کی وجہ سے اہل بیت پر صلاۃ وسلام ممنوع قرار دیتے ہیں اسی طرح نسیم الریاض شرح الشفا قاضی عیاض جلد ۳ ص ۵۵۵

۲۔ طبع قاہرہ مدارک التنزیل جلد ۳ ص ۲۳۸ ص مطبوعہ مصر میں اسماعیل بروسوی کے قول کا موید ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''عون الباری لحل ادلۃ البخاری'' جلد اول ص ۳۹ مطبع شاہجانی بھوپال میں تحریر کیا ہے ''سب سے پہلے بنی امیہ اور بنی عباس نے آل رسول ﷺ پر صلاۃ پڑھنے سے لوگوں کو منع کیا ہے'' مزید برآں لکھتے ہیں ''لیکن ائمہ محدثین کے لیے شاید آل پر صلاۃ نہ لکھنے کا عذر اہل ظلم وضلالت کے خوف سے ہے جنہوں نے آل محمد سے دشمنی رکھی ہوئی تھی اور ہر خوف سے ان کو ڈرایا اور ہر طرح کی پریشانی سے ان کو پریشان کیا جیسا کہ بنی امیہ وعباسیہ کے زمانے میں واقع ہوا اور اگرچہ خلفا عباسیہ اپنے آپ کو آل سے شما کرتے تھے مگر بلاشبہ ان کے حال کی زبان یہ کہتی نظر آتی ہے کہ مجھے قتل کرو اور میرے ساتھ ہی مالک کو قتل کرو (غرضیکہ عداوت اور ایذا رسانی میں عباسیہ، بنی امیہ سے کچھ کم نہ تھے) تو ائمہ محدثین کے جوان اس قسم کے خلفا کے ماتحت تھے اور ان کے ایسے محتاج ہوئے حتی کہ اپنی تصانیف میں چھوٹی ہو یا بڑی آل محمد پر صلاۃ وسلام ہی حذف کر دیا اور تقیہ جیسے عمل کو مباح بنا دیتا ہے پھر تقیہ کا وقت جاتا رہا اور ان غاوی فرقوں کی سلطنت کا وقت گزر گیا لیکن اس حالت میں جوان بوڑھے ہوئے اور چھوٹے جوان ہوئے اور اصلی جہالت کی وجہ سے ہمیشہ صلاۃ وسلام کو حذف کرتے رہے اور اس غلطی کی بدولت اس پر مداومت کی اور ساتھ ہی تعلیم صلاۃ کی احادیث مبارکہ کو بھی حدیث کی کتابوں سے پڑھتے رہے۔

بعینہا یہی بات علامہ قاضی محمد برخوردار ملتانی نے حاشیہ پر اس علی شرح العقائد پر کہی ہے۔

عالی قدر قارئین:

ہم نے بطور نمونہ چند حوالے نقل کر دیئے جنہیں پڑھ کر آپ بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ علماء متقدمین و متاخرین، اکابر اہل سنت نے اہل بیت ÷ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ مستقلاً ''علیہ السلام'' لکھنا اور بولنا جائز قرار دیا ہے۔ اب پڑھے لکھے حضرات کے لیے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

خطبہ فدک میں دینی واخلاقی معارف

روشن علی☆

بنت الرسولؐ حضرت فاطمہ الزہر سلام اللہ علیہا کا خطبہ فدک جہاں سیاسی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے وہاں اس کی دینی واخلاقی معارف وتعلیمات کے لحاظ سے بھی غیر معمولی حیثیت ہے، ہم نے یہاں اس خطبے کو اسی پہلو سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس خطبے کو بہت سے محدثین اور ثقہ راویوں نے کئی اسناد سے نقل کیا ہے ان میں سے ہم صرف چار اسناد کا ذکر کرتے ہیں۔

۱ **روایت زینب بنت علی علیہا السلام**

ابن ابی الحدید روایت کرتے ہیں:

قال ابوبکر فحدثنی محمد ابن زکریا قال: حدثنی جعفر بن محمد بن عماره الکندی قال: حدثنی ابی عن الحسین بن صالح بن حی ، قال : حدثنی رجلان من بنی هاشم عن زینب بنت علی ابن ابی طالب علیه السلام

۲ **روایت حسن ابن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام**

جوہری اپنی کتاب **السقیفہ وفدک** میں روایت کرتے ہیں:

حدثنی احمد بن محمد بن یزید، عن عبد الله بن محمد بن سلیمان، عن ابیه ، عن عبد الله بن الحسن بن الحسن ، قالوا جمیعا : لما بلغ فاطمة علیها السلام اجماع ابی بکر علی منعها فدک لاثت خمارها...

۳ **روایت زید ابن علی بن الحسین علیہ السلام**

ابن طیفور اپنی کتاب: **بلاغات النساء**، میں روایت کرتے ہیں:

حدثنی جعفر ابن محمد رجل من اهل دیار مصر لقیته بالرافقة قال حدثنی ابی قال اخبربا موسی ابن عیسی قال اخبرنا عبد الله ابن یونس

☆اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی نظامت تعلیمات، اسلام آباد

قال اخبربا جعفر الاحمر عن زید ابن علی رحمة الله علیه عن عمته زینب بنت الحسین علیهما السلام قالت لما بلغ فاطمة علیها السلام اجماع ابی بکر علی منعها فدک لاثت خمارها و خرجت فی حشدة نسائها و لمة من قومها

۴ روایت حضرت عائشہؓ

سید شریف مرتضی علم الہدی اپنی **الشافی فی الامامۃ** میں روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو عبد الله محمد ابن رمران المرزابانی قال حدثنی محمد ابن احمد الکاتب قال حدثنا احمد ابن عبید ابن ناصح النحوی قال حدثنا الزیادی حدثنا شرقی ابن قطامی عن محمد ابن اسحاق قال حدثنا صالح ابن کیسان عن عروة عن عائشة قالت لما بلغ فاطمة علیها السلام اجماع ابی بکر علی منعهافدک لآثت خمارها...

اس سے مزید تحقیق کے لیے کتب تاریخ وسیر کا مطالعہ کیا جائے بالخصوص شرح ابن ابی الحدید، کتاب السقیفہ وفدک، بلاغات النساء وغیرہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

خطبہ فاطمۃ الزہراء × کے دینی واخلاقی معارف:

ہم عربی متن کو بخوف طوالت ترک کرتے ہیں صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ خطبہ کے متن کو لفظ **اصل** سے بیان کرتے ہیں اور اس کی وضاحت کو **مختصر تشریح** کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ خاتون جنت÷ کے اس خطبہ کو ہم نے دینی واخلاقی تعلیمات کے لحاظ سے چند حصوں میں تقسیم کیا ہے، جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

(ا) اللہ کی حمد، توحید اور صفات:

اصل

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ان نعمتوں پر جو اس نے عطا کی ہیں، اس کا شکر ہے ان توفیقات پر جو اس نے عنایت کی ہیں، اس کی ثناء ہے ان عام نعمتوں پر جو اس نے ابتداء میں ہمیں عطا کی ہیں، اور وہ بے حساب آسائشیں جو ہمارے لیے مہیا کی ہیں، اور وہ پے در پے نعمتیں جو ہمارے شامل حال ہیں، وہ نعمتیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا، وہ اتنی زیادہ وسیع ہیں کہ ان کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا، اور اس کی انتہا انسان کے ادراک سے خارج ہے، نعمتوں میں اضافہ اور تسلسل کے لیے لوگوں کو شکر کرنے کی ہدایت کی، ان (نعمتوں) کی تکمیل کے لیے

تمام مخلوقات کو اپنی حمد کا حکم دیا، اور ان کو حاصل کرنے کے لیے مکرر دعوت دی۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کی روح اخلاص ہے، اس نے اس (توحید) کے ادراک کو دلوں میں ٹھہرایا، اور اس کے ادراک کے ذریعے ذہنوں میں روشنی بخشی، وہ خدا جس کو آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، نہ زبان سے اس کا وصف بیان کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی عقل و وہم کے ذریعے اس کی کیفیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

مختصر تشریح

جناب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے اس خطبہ کے ایک ایک جملے میں مفاہیم کا ایک سمندر موجزن ہے، ان تمام مطالب کا تذکرہ اس مختصر سے مقالہ میں ناممکن ہے، لیکن موضوع کی مناسبت سے ان مطالب کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

(الف) خالق کائنات کا شکریہ ادا کرنا:

جناب زہراء علیہا السلام خطبے کی ابتدا خالق کائنات کی بیشمار نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے کرتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے پورے وجود پر چھائی ہوئی ہیں۔ ہم سر سے پیر تک ان نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اپنی محدود عقل کے ذریعے اس لامحدود کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے، کیونکہ اسی منعم نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمایا ہے:

"اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا .

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکو گے۔ (۱)

یہی احساس شکر گذاری کے جذبہ کو بیدار کرتا ہے اور ہمیں اللہ کی ذاتِ پاک کی معرفت کی دعوت دیتا ہے کیونکہ نعمتوں کا احساس انسان کو منعم کی شکر گزاری پر آمادہ کرتا ہے، شکر بندگی کی طرف لاتا ہے۔ شکر کا پہلا درجہ دل میں نعمتوں کا احساس ہے، دوسرا زبان سے ان کا اقرار ہے اور تیسرا عمل سے ان کا اظہار ہے، اسی طرح انسان اپنے پورے وجود سے خالق کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے اور مکمل اس کی بندگی میں آجاتا ہے۔

خالق کائنات انسان کے شکریہ کا محتاج نہیں ہے اور نہ ہی اس کا شکریہ ادا کرنے سے اس کی ذات میں کوئی فرق آئے گا بلکہ اس نے اپنی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی دعوت اسی لیے دی ہے کہ بندوں پر اپنی نعمتیں زیادہ سے زیادہ کرے۔ ارشاد ہے:

"لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ."

اگر تم (میری نعمتوں کا) شکریہ ادا کرو گے تو مزید عطا کروں گا۔ (۲)

بندے اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں، کیونکہ شکر گذاری کی توفیق بھی خود ایک نعمت ہے اور شکر ادا

کرنے کے ذرائع یعنی فکر، ہاتھ اور زبان وغیرہ سب اسی کی نعمتیں ہیں۔اس بنا پر عاجزی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

(ب) توحید اور صفات:

جناب زہراء علیہا السلام خالق کائنات کا شکر ادا کرنے کے بعد اس کی توحید کا تذکرہ کرتی ہیں کہ وہ ہی خدائے وحدہ لاشریک ہے اور لائق عبادت ہے۔توحید کی روح وہی خلوص ہے، اپنی روح کو غیر خدا سے پاک صاف رکھنا، دل کی گہرائیوں میں اس کی محبت، اس کے احکام کے سامنے سراپا سر تسلیم خم کرنا اور ہر وہ چیز جو اس کی مخالفت کا سبب ہو اس کو بھول جانا، اس کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہ کرنا۔

توحید ابتدا ہی سے انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔اللہ کا یہ نور وجود کی گہرائیوں میں روشنی دئے رہا ہے لیکن ظاہری حوادث انسان کو غافل بنا دیتے ہیں۔جب سخت طوفان آتے ہیں، زندگی کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے، غفلت کے پردے اٹھ جاتے ہیں، بے خبر انسان ہوش میں آنے لگتا ہے اور بے اختیار خدا کی جانب بڑھنے لگتا ہے اور اسے ہی وحدہ لاشریک ماننے لگتا ہے۔

خاتون جنت فرماتی ہیں کہ عقل وفکر کے لیے خالق کائنات کی ذات کی حقیقت سمجھنا محال ہے، اسی طرح ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

کلما میزتموہ باوہامکم فی ادق معانیہ مخلوق مصنوع مثلکم مردود الیکم .

اسی طرح کوئی اس کی صفات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔[۳]

جس کے متعلق ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

"ما عرفناک حق معرفتک."

ہم تجھ کو اس طرح نہ پہچان سکے جس طرح معرفت کا حق ہے۔[۴]

اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام اپنی دعا میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ما عبدناک حق عبادتک ."

اے خدا! ہم اس طرح تیری عبادت نہ کر سکے جس طرح تیری عبادت کا حق ہے۔[۵]

(۲) تخلیق کائنات کا مقصد:

اصل

اس نے دنیا کی چیزوں کو ایجاد کیا بغیر اس کے کہ اس سے پہلے کسی چیز کا وجود ہو، ان سب کو پیدا کیا بغیر اس کے کہ اس سے پہلے کوئی مثال رہی ہو، ان کو اپنی قدرت سے بنایا، اپنے ارادے سے خلق کیا بغیر اس کے کہ اس

کوان کی خلقت کی ضرورت رہی ہو، یاان کی تخلیق سے اس کی ذات کوکوئی فائدہ پہنچتا ہو۔ وہ صرف اپنی حکمت کوآشکار کرنا چاہتا تھا، اور طاعت و بندگی کی طرف توجہ دلانا چاہتا تھا، اور اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا تھا، مخلوق کواپنی بندگی کے دائرہ میں لانا چاہتا تھا، اور (پیغمبروں کے ذریعے) اپنی دعوت کواستحکام دینا چاہتا تھا۔ پھراس نے اپنی اطاعت کو باعث ثواب، اور معصیت کوموجب عذاب قرار دیا تا کہ اس کے بندے اس کے غضب سے بچے رہیں اوراس کی جنت کی طرف گامزن رہیں۔

مختصر تشریح

خاتون جنت نے خطبہ کے اس حصہ میں تخلیق کائنات کے سلسلے میں بہت اہم مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(الف) تخلیق کائنات کے سلسلے میں اہم مسئلہ یہ ہے کہ ابتداء میں کسی **مادہ** کا وجود نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس مادہ سے دوسری چیزوں کو پیدا کرتا بلکہ یہ تخلیق بلکل عدم سے وجود میں آئی ہے، اس طرح کی تخلیق صرف اللہ کی ذات سے مخصوص ہے۔

(ب) اسی ذات نے اس کائنات کو پیدا کیا بغیر اس کے کوئی دنیا موجود ہو یا کوئی تصویر موجود ہو جس کو اس نے دیکھا ہو۔ بلکہ اس نے اس کائنات کو اپنی قدرت کاملہ سے بنایا ہے کیونکہ وہ کن فیکون کا مالک ہے۔

(ج) خالق کائنات کو اِس کائنات کو بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، وہ ہر اعتبار سے لامتناہی ولامحدود ہے لہٰذا اسے محدود چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جناب فاطمہ زہراء × نے تخلیق کائنات کا مقصد چند جملوں میں بیان فرمایا ہے، گویا کہ آپؑ نے ان میں معانی ومفاہیم کے دریا سمودئے ہیں:

۱ اپنی بے پناہ قدرت کوظاہر کرنے کے لیے۔
۲ بندوں کواپنی اطاعت کی طرف بلانے کے لیے۔
۳ اپنی لامحدود قدرت کوظاہر کرنے کے لیے۔
۴ بندوں کواپنی عبادت کی دعوت دینے کے لیے۔
۵ پیغمبروں کوتقویت پہنچانے کے لیے۔

آخر میں فرماتی ہیں: اس کے بندوں میں سے جوبھی اس کی اطاعت کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اگر کسی نے اس کی نافرمانی کی تو اس کوعذاب دیا جائے گا اور وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں پائے گا۔

(۳) پیغمبر اکرم کی عظمت اور خصوصیات:

اصل

میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے والد محمدؐ اللہ کے عبد اوراس کے رسول ہیں۔ اللہ نے آپؐ کو رسول بنانے سے پہلے آپؐ کو برگزیدہ کیا تھا۔ اور آپؐ کوخلق کرنے سے پہلے یہ منصب عطا کیا اور مبعوث کرنے سے پہلے

منتخب کیا۔ جب مخلوقات ابھی پردہ غیب میں پوشیدہ تھیں، ہولناک تاریکی میں گم تھیں اور عدم کی آخری سرحدوں سے متصل تھیں۔ اللہ کو (اس وقت بھی) آنے والے امور کا علم تھا، اور رونما ہونے والے ہر واقعہ پر احاطہ تھا، اور وہ چیزوں کے مقدرات سے باقاعدہ واقف تھا۔

اللہ نے آپؐ کو مبعوث کیا تاکہ اس کے احکام کی تکمیل کریں اس کے قوانین کو نافذ کریں اور حتمی ارادوں کو عملی شکل دیں۔ جب آپؐ مبعوث ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ اقوام عالم نے مختلف مذاہب اختیار کر رکھے ہیں، کچھ اپنے آتشکدوں میں منہمک ہیں اور کچھ بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف ہیں، انہوں نے اللہ کو پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کر لیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے میرے والد گرامی محمدؐ کے ذریعے اندھیروں کو اجالا کر دیا، اور دلوں سے ابہام کو دور کر دیا، اور آنکھوں سے تیرگی کو ختم کر دیا۔

آپؐ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے قیام کیا، ان کو گمراہی وضلالت سے نجات دلائی، ان کی آنکھوں کو روشن کیا، دین (اسلام) کے محکم قوانین کی طرف ان کی ہدایت کی اور ان کو راہ راست کی طرف بلایا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا شوق ومحبت اور اختیار ورغبت کے ساتھ نیز (آخرت کی) ترغیب وترجیح کے ساتھ۔ اور آپؐ کو اس دنیا کے رنج وغم سے آسودہ کیا، اب مقرب فرشتہ آپؐ کے گرد حلقہ بگوش ہیں، اور آپؐ رب غفار کی خوشنودی اور خدائے جبار کے جوارِ قرب میں ہیں۔ اللہ کی رحمت ہو اس نبیؐ اور امین پر جو ساری مخلوقات سے منتخب وپسندیدہ ہیں۔ اللہ کا سلام اور اس کی رحمت اور برکتیں ہوں آپؐ پر۔

مختصر تشریح

جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام نے خطبہ کے اس حصہ میں نہایت پر معانی اشارے کئے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے متعلق اہم مباحث کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے چند کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(الف) آپؐ کا وجود مقدس:

جناب زہراء علیہا السلام نے اس حصہ کی ابتدا میں رسول اکرمؐ کے **گوہر ممتاز** کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کائنات کی تخلیق سے پہلے پیدا کیا ہے اور آپؐ ہی کی خاطر اس کائنات کو وجود ملا ہے۔ جس کی طرف قرآن وروایات میں اشارے کئے گئے ہیں۔

"وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ."

ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔[٦]

اسی طرح توریت وانجیل میں بھی اشارے کئے گئے ہیں۔ بہت سی احادیث ایسی ہیں کہ جن میں آپؐ کے **گوہر ممتاز** کو تخلیق کائنات سے پہلے بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ:

"اول ما خلق الله نوری."

سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو خلق کیا۔ ۷

اس حدیث میں نور مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو تمام مخلوقات سے اول قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"کنت اول الناس فی الخلق و آخرھم فی البعث."

میں تمام لوگوں سے تخلیق میں سب سے پہلے ہوں اور آخر میں مبعوث ہوا ہوں۔ ۸

بلکہ یہاں تک کہ وجہ خلائق بھی آپؐ کی ہی ذات گرامی ہے:

"لو لاک لما خلقت الافلاک."

(اے پیغمبرؐ) اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں کائنات کو بھی خلق نہ کرتا۔ ۹

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس وقت نبیؐ بنایا تھا جب آدم علیہ السلام کا وجود ہی نہیں تھا۔ ارشاد ہے:

"کنت نبیا اذا آدم بین الماء و الطین."

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ مٹی اور پانی میں تھا۔ ۱۰

(یعنی پانی پانی تھا مٹی مٹی تھی ابھی آدمؑ کا مجسمہ بھی نہیں بنا تھا تو اس وقت بھی اللہ نے آپؐ کو نبی بنایا تھا۔) اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"کنت نبیا اذا آدم بین الروح و الجسد."

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ روح اور جسم کے درمیان تھا۔ ۱۱

(ب) آپؐ کی بعثت کا مقصد اور بعثت سے پہلے لوگوں کی حالت:

جناب زہرہ علیہا السلام اس حصہ میں آپؐ کی بعثت کا مقصد بیان کرتی ہیں کہ آپؐ احکام خدا کی تکمیل اور الٰہی قوانین کا نفاذ کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ آپؐ آخری نبیؐ ہیں آپؐ کی شریعت کامل ہے۔ جس کی گواہی قرآن کریم میں اس طرح ہے:

" اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا."

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں، اور تیرے دین اسلام سے راضی ہوا۔ ۱۲

بعثت سے پہلے لوگ مختلف مذاہب اور گروہوں، قبیلوں اور قوموں میں بٹے ہوئے تھے ہر طرف گمراہی کی

تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں انسانیت کا کہیں کوئی نام ونشان تک نہیں تھا۔
اسی طرف حضرت علی علیہ السلام نے اشارہ کیا ہے کہ:

''اس وقت کرہ ارض کے باشندے متفرق قوموں میں بٹے ہوئے تھے، منتشر خیالات اور مختلف راہوں میں سرگرداں تھے، کچھ اللہ کو مخلوق کی مانند سمجھتے تھے اور کچھ غیر اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسے حالات میں اللہ نے محمدؐ کے ذریعے ان کو گمراہی سے ہدایت بخشی اور آپؐ کے ذریعے انہیں جہالت سے بچالیا۔'' (نہج البلاغہ)

آپؐ نے ایسے حالات میں آکر لوگوں کو بیدار کیا انسانیت کو زندہ کیا اور تاریکیوں کے پردے چاک کرکے نور کا اجالا کیا۔ جس کی طرف قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ .''

الٓر یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں ان کے پروردگار کے حکم سے، زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔[۱۳]

(ج) آپؐ کا انتقال:

اس حصہ میں جناب خاتون جنت نے پیغمبر اکرم ﷺ کے انتقال کو فخریہ انداز میں پیش کیا ہے کہ آپؐ کی یہ شان ہے کہ آپؐ اپنی مرضی اور شوق ومحبت سے بارگاہ الٰہی میں جانے کو ترجیح دی۔ ملک الموت بھی آپؐ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوسکا اجازت ملنے پر گھر داخل ہوئے اور روح قبض کرنے کی اجازت طلب کی، یہ شرف صرف نبی اکرم ﷺ کو ہی ملا ہے۔ پس آپؐ کی روح کا طائر بلند پرواز، جو مدتوں سے اس قفس بدن میں اور اس دار فانی میں مقید تھا اس نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد اور کار رسالت کو انجام دینے کے بعد اس قفس کو توڑ کر محبوب کی فضا میں ابدیت کی طرف پرواز کی اور رحمت خدا میں آرام فرما ہوا اور آسمان کے بلند منزلت فرشتوں میں جلوہ افروز ہوا۔

(۴) مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور اللہ کی کتاب:

اصل

پھر اہل مجلس کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا:

اے اللہ کے بندو! تم ہی اللہ کے اوامر ونہی کے مخاطب ہو، اس کے دین اور اس کی وحی کے حامل ہو، تم اپنے نفسوں پر اللہ کے امین ہو، اور دوسری اقوام کی طرف اس کے مبلغ ہو، اس کی طرف سے برحق رہنما

تمہارے درمیان موجود ہے اور اللہ کا عہد و پیمان جو تم سے پہلے ہی لیا جا چکا ہے۔

آپؐ نے ایک (گرانبہا) ذخیرے کو تمہارے درمیان جان نشین بنایا ہے۔ اور اللہ کی کتاب بھی ہمارے درمیان موجود ہے، یہ اللہ کی ناطق کتاب ہے، یہ سچا قرآن ہے، یہ چمکتا نور ہے، یہ روشن چراغ ہے۔ ایسی کتاب جس کی دلیلیں روشن، جس کے اسرار و رموز آشکار، جس کا ظاہر پرنور اور اس کی پیروی کرنے والے قابل رشک ہیں۔

ایسی کتاب جو اپنے عمل کرنے والے کو جنت میں لے جاتی ہے اور سننے والوں کو ساحل نجات تک رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے ذریعے اللہ کی روشن دلیلوں کو پایا جا سکتا ہے۔ اس کے واجبات کی تفسیر معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس کے محرمات کی شرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کی واضح دلیلیں روشن اور اس کے براہین کافی ہیں۔ مستحبات پر مشتمل اس کے فضائل کو اور جائز مباحات کو اور اس کے واجب دستور پایا جا سکتا ہے۔

تشریح

(الف) لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا:

اس حصہ میں جناب زہراء علیہا السلام مسلمانوں سے مخاطب ہوتی ہیں کہ تم لوگ ہی سب سے پہلے ذمہ دار ہو اللہ کے احکام پر عمل کروا ان کو دوسروں تک پہنچاؤ، تم نے وحی الٰہی کو سنا، اس کی تشریح رسول ﷺ نے تمہارے سامنے کی لہٰذا تمہاری ذمہ داری بنتی ہے کہ تم اس پیغام کو دوسری قوموں اور ملتوں کی طرف پہنچاؤ۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت ہے:

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

تم بہترین امت ہو، لوگوں کی ہدایت کے لیے نکالے گئے ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ اب اگر تم لوگوں نے کوتاہی کی اور تساہلی سے کام لیا تو اللہ کے سخت عذاب کا انتظار کرو۔[۱۴]

تمہارے درمیان اللہ کی طرف سے برحق رہنما (علی علیہ السلام) موجود ہے اور کچھ دن پہلے غدیر کے میدان میں اس کا تم سے عہد و پیمان بھی لیا جا چکا ہے کہ:

"من كنت مولاه فهٰذا علی مولاه."

جس کا میں مولا ہوں علی اس کا مولا ہے۔[۱۵]

اس کے باوجود تم کہاں جا رہے ہو، کیوں سرگرداں ہو، راہ راست کو کیوں ترک کر رہے ہو، تفرقہ وانتشار اور ضد و تعصب کے پھندوں کو اتار پھینکو، آؤ میدان غدیر میں اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان پر عمل کرو اور اسی منتخب نمائندہ کے ساتھ مل کر اللہ کے اوامر و نواہی کی تبلیغ کرو، اس کا ساتھ دو اور دین اسلام کو سربلند کرو وہی زعیم برحق تمہیں کامیابیوں کی بلندیوں کی طرف لے جائے گا۔

(ب) قرآن کی عظمت:

خاتون جنت نے خطبہ کے اس حصہ میں حدیث ثقلین کی طرف اشارہ کیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے تمہارے درمیان قرآن واہل بیت کو اپنا جان نشین بنایا ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ ان دونوں کے ساتھ متمسک رہو۔ اس کے بعد قرآن کے فضائل بیان کرتی ہیں کہ یہ قرآن ناطق ہے جو ایک سچی کتاب ہے واضح روشنی دینے والی کتاب ہے، یہ ایک چمکتا ہوا نور ہے اس سے اپنے دلوں کو منور کرو، یہ ایک روشن چراغ ہے اسی سے راہ راست کی ہدایت حاصل کرو، اسی سے درس عبرت حاصل کرو، اس کا ظاہر بہت خوبصورت اور پُر نور ہے۔ جس کا باطن واضح اور ثمر بار ہے۔ جس کی دلیلیں اطمینان بخش اور نجات دینی والی ہیں۔ یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو اپنے پیروکار کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

(۵) احکام شریعت اور ان کا فلسفہ:

اصل

اللہ نے ایمان کو تمہیں شرک سے پاک کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ نماز کو فرض کیا تمہیں تکبر وغرور سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور رزق میں اضافے کا سبب بنایا۔ روزہ کو اخلاص کے اثبات کا ذریعہ بنایا۔ حج کو فرض کیا دین کو تقویت دینے کے لیے۔ عدل و انصاف کو واجب قرار دیا دلوں کو جوڑنے کے لیے۔ ہماری اطاعت کو ملت کے نظام کا وسیلہ قرار دیا۔ اختلافات سے محفوظ رہنے کے لیے ہماری امامت کو واجب قرار دیا۔ جہاد کو اسلام کی سربلندی کا ذریعہ بنایا، صبر کو حصول ثواب کا سبب بنایا۔ امر بالمعروف کو عوام کی بھلائی کا ذریعہ بنایا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کو قہر الٰہی سے بچنے کا ذریعہ بنایا۔ صلہ رحمی کو واجب قرار دیا عمر کی درازی اور افرادی کثرت کے لیے۔ قصاص کو قرار دیا جان کی حفاظت کے لیے۔ وفائے عہد کو لازم قرار دیا گناہوں کی مغفرت کے لیے۔ کم بیچنے کو حرام قرار دیا کمی سے محفوظ کرنے کے لیے، شراب کو حرام کیا نجاستوں سے دور رہنے کے لیے، تہمت کو ناجائز کیا لعنت (اللہ کے عذاب) سے محفوظ رہنے کے لیے، چوری کو حرام کیا عفت نفس کے لیے، شرک کو حرام کیا اپنی ربوبیت کو خالص بنانے کے لیے۔

مختصر تشریح

احکام کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے مختصر عبارت میں مفاہیم کے دریا سمو دیئے ہیں۔ ایمان سے نذر کی وفا تک، توحید سے کم فروشی تک ہر ایک کو ایک ایک جملہ میں اس طرح بیان کر دیا کہ گویا کوزے میں سمندر کو بند کر دیا ہے۔

(ا) ایمان:

کتنا عظیم جملہ ہے یہ کہ **اللہ نے ایمان کو تمہیں شرک سے پاک کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔** یہ جملہ اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ توحید کی حقیقت اور اللہ کی معرفت ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ یعنی انسان فطری

طور پر موحد ہے لیکن حالات اسے بدل دیتے ہیں۔ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ:

" کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ."

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے بنا دیتے ہیں یہودی، عیسائی یا مجوسی اور شرک کی کثافت ایک عارضی نجاست ہے۔

اسلام آیا ہی اسی لیے ہے کہ دلوں کو پاکیزہ بنائے اور زمین کو کفر وشرک کی نجاستوں سے پاک کرے۔

(۲) نماز:

نماز اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا عملی اعتراف ہے۔جب بندہ اللہ کی کبریائی کا معترف ہو جائے تو وہ تکبر وغرور کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور عاجزی وانکساری اس کے وجود میں شامل ہو جائے گی۔

(۳) زکوٰۃ:

زکوٰۃ اسی لیے فرض کی گئی تا کہ انسان کا مال پاکیزہ ہو جائے یہی تعبیر قرآن کریم میں بھی موجود ہے کہ:

"خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ."

ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجئے اس کے ذریعے آپؐ ان کے اموال کو پاکیزہ اور بابرکت بنائیں۔[۱۷]

زکوٰۃ انسان کو مالی غلامی سے آزاد کراتی ہے اور دنیا کی قید و بند سے نجات دلاتی ہے اور اس طرح معاشرے کے محروم افراد اقتصادی استحکام پاکر ترقی کرنے لگتے ہیں۔

(۴) روزہ:

عبادات میں روزہ اخلاص کی خصوصی علامت اس لیے ہے کہ باقی عبادات کا مظاہرہ عملاً ہوتا ہے، جن میں ریاکاری کا امکان رہتا ہے مگر روزہ دار کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس نے روزہ کی حالت میں کچھ کھایا یا پیا نہیں ہے۔حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ:

" الصوم لی و انا اجزی علیہ."

روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔[۱۸]

(۵) حج:

حج کی عظیم الشان اور عالمی کانفرنس اسلام کے استحکام اور تقویت کے لیے قرار دی تا کہ فکری، ثقافتی، عسکری اور سیاسی میدان میں مسلمان ایک دوسرے کو تقویت پہنچا سکیں۔ جب مسلمان طاقتور ہوں گے تو خود بخود اسلام طاقتور بن جائے گا۔

(۶) عدل:

عدل وانصاف کے ذریعے دلوں سے دیرینہ دشمنی بغض وعناد کو دور کیا، بدامنی کو امن میں تبدیل کردیا کیونکہ جب ہرانسان کو اس کا حق ملے گا اور اس کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے گا تو یقیناً پورا معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے گا اور تمام لوگ دلی اعتبار سے ایک دوسرے سے محبت کریں گے۔

(۷،۸) اطاعت وامامت اہل بیت ÷:

اللہ تعالیٰ نے اہل بیت اطہار علیہم السلام کو مسلمانوں کا رہبر قرار دے کر معاشرتی نظام کی سلامتی کی ضمانت لی تاکہ لوگ توحید کے راستے پر چل سکیں اور ہرطرح کے نفاق وافتراق سے دور رہیں۔ اگر امت اسلامیہ اہل بیتؑ کی امامت پر مجتمع ہو جاتی تو اس امت میں تفرقہ وانتشار وجود میں نہ آتا اور امت محمدیہؐ میں جو بھی تفرقہ وجود میں آیا ہے وہ اہل بیت اطہارؑ کے ساتھ محض حسد وعداوت کی وجہ سے آیا ہے۔

(۹) جہاد:

خاتون کائنات فرماتی ہیں کہ اللہ نے جہاد کو فرض کیا تاکہ اسلام سربلند ہو۔ کیونکہ جہاد کے ذریعے دشمنان اسلام اور ظالموں کو نیست ونابود کیا جاتا ہے۔ جہاد کے متعلق حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"واللہ ما صلحت دین و دنیا الا به."

اللہ کی قسم دین اور دنیا کی فلاح وبہبود صرف جہاد کے ذریعے ممکن ہے۔[19]

(۱۰) صبر:

صبر کے متعلق جناب زہرہ علیہا السلام فرماتی ہیں کہ اللہ نے صبر کو اسی لیے قرار دیا ہے تاکہ اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اجر وثواب حاصل کیا جائے۔

(۱۱) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اصلاح معاشرہ کے لیے اسلام کا ایک زرین اصول ہے جس پر عمل پیرا ہونے والے کی صورت میں ایک متوازن سوچ کا حامل باشعور معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جس میں کسی ظالم کو ظلم کرنے اور کسی استحصالی کو استحصال کرنے کا موقعہ نہیں ملتا کیونکہ ایک آگاہ اور باشعور معاشرہ ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کیا گیا تو ہرقسم کے ظلم واستحصال کو کھلی چھوٹ مل جائے گی۔

(۱۲) والدین کے ساتھ نیکی:

والدین کے ساتھ حسن سلوک کو جناب زہرہ علیہا السلام نے غضب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ کہا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ:

"من اسخط والدیه فقد اسخط الله و من اغضبهما فقد اغضب الله."

جس نے والدین کو ناراض کیا اس نے اللہ کو ناراض کیا اور جس نے والدین کو غصہ دلایا اس نے اللہ کو غصہ دلایا۔[۲۰]

(۱۳) صلہ رحم:

صلہ رحمی کرنے سے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتو مال میں کثرت ہوتی ہے اور اس سے افرادی قوت بھی بڑھ جاتی۔

(۱۴) قصاص:

خاتون جنت نے قصاص کو خونریزی کو روکنے کا ذریعہ کہا ہے۔یہی گواہی قرآن مجید میں بھی موجود ہے کہ:

"وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ."

اے صاحبانِ عقل! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔[۲۱]

(۱۵) ناپ تول:

ناپ تول میں کمی عذاب الٰہی کا باعث بنتی ہے اس لیے جناب زہراء × نے اس سے منع فرمایا ہے۔
اسی طرح قرآن میں بھی حکم ہے کہ:

"وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ."

تباہی و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو کم فروشی کرتے ہیں۔[۲۲]
اور کم فروشی کی ہی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا۔

(۱۶) شراب نوشی:

اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی کی حرمت کو گناہ کی آلودگیوں سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے۔امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں رسولؐ اللہ نے شراب نوشی کے متعلق دس افراد پر لعنت بھیجی ہے۔وہ یہ ہیں:

اس کی زراعت کرنے والا، اس کی حفاظت کرنے والا، اس کو بیچنے والا، اس کو خرید کرنے والا، اس کو پینے والا، اس کا مالی فائدہ اٹھانے والا، اس کو نچوڑنے والا، اس کو اٹھا کر لے جانے والا اور وصول کرنے والا اور اس کو پلانے والا۔[۲۳]

(۱۷) بہتان تراشی:

بہتان تراشی کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ."

جولوگ بے خبر پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔[۲۴]

(۱۸) چوری:

چوری کے بارے میں قرآن میں حد بیان ہوئی ہے کہ:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَا للّٰهُ."

چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے کئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے تنبیہ ہے۔[۲۵]

(۱۹) شرک:

شرک ایک نا قابل معافی گناہ ہے، جس کی کوئی بخشش نہیں ہے اس کے علاوہ تمام گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سے بچنے والا انسان توحید پرست ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات تمام میں واحد و یکتا مانتا ہے۔

(۶۰) حکومت کے مقابلے میں اپنا موقف:

اصل

لوگو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں فاطمہؑ ہوں اور میرے بابا محمدؐ ہیں اللہ کا درود وسلام ہو ان پر، جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس کا آغاز وانجام ایک ہے (میں متضاد باتیں نہیں کہتی ہوں) جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ غلط نہیں ہے، اور نہ میرے عمل میں خطا ولغزش کی آمیزش ہے۔

ب

بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا، تمہیں تکلیف میں دیکھنا اس پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مؤمنین کے لیے نہایت شفیق و مہربان ہے۔ (سورۃ توبہ ۱۲۸)

اگر تم اس کا نسب تلاش کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میرے والد تھے تمہاری عورتوں میں سے کسی کے نہیں، وہ میرے چچا کے فرزند کے بھائی تھے نہ کہ تم لوگوں کے، کتنا لائق افتخار ہے یہ سلسلہ نسب۔ خدا کا درود وسلام ہو ان پر اور ان کے خاندان پر۔

ہاں وہ تشریف لائے اور انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیا۔لوگوں کو خطرات سے آگاہ کیا۔آپؐ نے مشرکین کی روش کو پس پشت ڈال دیا،ان پر کمر شکن ضرب لگائی اوران کی گردنوں کو مروڑ دیا،ان کے گلوں کو گھوٹا تا کہ وہ شرک سے دستبردار ہو جائیں اور توحید کے راستے پر آجائیں۔

پھر حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلایا۔ بتوں کو پاش پاش کر دیا اور طاغوتوں کو اس طرح سرنگوں کیا کہ وہ شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی دور ہو گئی اور صبح امید کی روشنی پھیل گئی،حق واضح ہو گیا اور دین کے پیشوا نے زبان کھولی۔شیطان کی زبان کو لگام دے دی۔منافق جماعت کی ہلاکت یقینی ہو گئی۔کفر و شقاوت کے بند ٹوٹ گئے۔ چند معزز فاقہ کش ہستیوں کی معیت میں تم کلمہ توحید کا اقرار کرنے لگے۔

ہاں اس وقت تم آگ کے گھڑے کے دہانے پر تھے،اتنے مختصر تھے جیسے پیاسے کے لیے ایک گھونٹ پانی، یا بھوکے کے لیے ایک نوالہ، یا جلدی میں اٹھائی جانے والی چنگاری، یا قدموں کے نیچے پامال ہونے والے خس وخاشاک تھے۔ان دنوں تمہارا پینے کا پانی گندا اور بدبودار تھا،تمہاری غذا درختوں کے پتے تھے،تم (اس طرح) ذلت وخوار میں زندگی بسر کرتے تھے۔تم ہمیشہ اس بات سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں تمہارا طاقتور دشمن تم پر حملہ نہ کر دے اور تم کو اچک نہ لیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں تمہیں محمدؐ کے ذریعے نجات دلائی۔انہوں نے بہادروں اور زورآوروں، عرب کے بھیڑیوں اور سرکش اہل کتاب کا مقابلہ کیا۔انہوں نے جتنا زیادہ جنگ کی آگ کو بھڑکانا چاہا اللہ تعالی نے اس کو بجھا دیا۔جب بھی شیطان ظاہر ہوتا تھا اور مشرکین کا فتنہ پھیلنے لگتا تھا اس وقت میرے والد اپنے بھائی (علیؑ) کو ان کے مقابلے میں بھیجتے تھے۔وہ ان لوگوں کے غرور کو اپنے پیروں تلے پامال کئے بغیر اور اپنی تلوار سے اس آتش کو فرو کئے بغیر واپس نہیں لوٹتے تھے۔وہ راہ خدا میں جان فشاں تھے،اللہ کے معاملے میں مجاہد تھے،رسول اللہ کے نہایت قریبی تھے اور اولیاء اللہ کے سردار تھے۔وہ (جہاد کے لیے) ہمہ وقت کمر بستہ،امت کے خیر خواہ،محکم عزم کے مالک اور راہ حق میں جفاکش تھے۔وہ راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔مگر تم ان دنوں عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے تھے، نیز سکون اور خوشی میں امن وامان کے ساتھ رہتے تھے۔تم اس انتظار میں رہتے تھے کہ ہم پر مصیبتیں آئیں اور تمہیں بری خبریں سننے کو ملیں،تم جنگ کے وقت پسپائی اختیار کرتے تھے اور لڑائی میں راہ فرار اختیار کرتے تھے۔

مختصر تشریح

(الف) اپنا تعارف:

حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام نے خطبہ کے اس حصہ میں سب سے پہلے اپنا تعارف کرایا حالانکہ ان لوگوں کو علم تھا کہ فاطمہ کون ہیں۔ یہ وہی فاطمہؑ ہیں کہ جس کی شان میں آیت تطہیر،آیت مباہلہ اور سورۃ الدہر وغیرہ نازل ہوئی ہیں۔اس کے علاوہ ان لوگوں نے رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جناب زہراء ﷺ

کی منزلت وعظمت اور فضائل کے بارے میں بہت سے فرامین سن چکے تھے جن میں سے چند یہ ہیں:

"الفاطمة سیدة نساء العلمین و سیدة نساء اهل الجنة." ۲۶

فاطمة بضعة منی من اغضبها اغضبنی."۲۷

"انما فاطمة بضعة منی یوذینی ما آذاها." ۲۸

"فاطمة بضعة منی یوذینی ما اذاها و ینصبنی ما انصبها."۲۹

پس جناب خاتون جنت نے اپنا تعارف اس لیے کرایا کہ ان لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور بہانے تراشنے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔اور یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت علی -اور رسول اکرم ﷺ ایک دوسرے سے کتنے قریب ہیں اور ساتھ ہی اپنی گفتگو کی اہمیت بھی بتلا دی کہ میں کوئی غلط بات نہیں کر رہی ہوں لہٰذا تم میری بات کو غور سے سنو اور اپنی عظیم ذمہ داریوں کا احساس کرو۔

(ب) رسولؐ اللہ کی غیر معمولی ہمدردی:

اس کے بعد جناب خاتون جنت علیہا السلام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان لوگوں کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی کا تذکرہ کرتی ہیں کہ آپؐ نے کس قدر تمہارے لیے زحمتیں برداشت کیں، تمہارے رنج وغم میں شریک رہے، ہمہ تن تمہاری ہدایت کے خواہاں تھے اور تمہارے لیے نہایت مہربان اور رحم دل تھے لہٰذا آج اسی رسولؐ کی بیٹی تکلیف میں ہے اور تمہیں مدد کے لیے پکار رہی ہے اور تم امداد کو نہیں پہنچ رہے ہو۔

(ج) رسولؐ اللہ کی غیر معمولی زحمتیں:

پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم طاقت وہمت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپؐ تن تنہا اس عظیم کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، ذرہ برابر بھی گھبرائے نہیں، ظالموں کو سرنگوں کیا، تکبر کرنے والوں کو خاک میں ملا دیا، دشمنوں کی طاقت کو توڑ دیا، ان کے بت خانوں کو ویران کر دیا، دشمنان خدا کو پریشان کر دیا، ظلمتوں کو ختم کر کے نور کا اجالا کر دیا، حق کو نمایاں کیا، شمع حقیقت کو فروزاں کیا جس کی وجہ سے دشمنوں نے راہ فرار اختیار کی اور لوگوں میں اتنی ہمت ہوئی کہ انہوں نے کفر کے دریا میں کلمہ لا الہ الا اللہ کے چراغ کو روشن کیا۔

(د) اسلام سے پہلے اور ابتدا میں لوگوں کے حالات:

خاتون جنت علیہا السلام ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلا رہی ہیں جب ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ ہر طرف وحشتوں کا طوفان تھا ایک طرف پرانی بت پرستی اور شرک کے وسوسے تھے جو کبھی کبھی تمہارے ذہنوں میں فتور پیدا کرتے تھے، تم شک وتردید میں مبتلا ہوجاتے تھے، تمہیں جہنم کے کنارے کی طرف کھینچ کر لے جاتے تھے۔ دوسری طرف طاقتور، بے رحم اور سنگ دل دشمن تھے اور ہر طرف سے تم کو گھیرے ہوئے تھے، ایسا لگتا تھا کہ پلک جھپکتے ہی تم کو نیست ونابود کر دیں گے اور تمہیں کچل ڈالیں گے۔

اس وقت تمہارا پینے کا پانی گندا، بدبو دار اور متعفن تھا کوئی چیز تمہیں میسر نہیں آتی تھی تم ہمیشہ اپنے مستقبل کے متعلق خوفزدہ رہتے تھے۔ان واقعات کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے یوں اشارہ کیا ہے:۔
''اے گروہ عرب! اس وقت تم بدترین دین پر تھے اور بدترین گھروں میں تھے۔کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بودوباش رکھتے تھے۔گدلا پانی پیتے تھے اور بدترین غذا کھاتے تھے اپنا خون بہاتے تھے اور قطع رحمی کیا کرتے تھے۔''[۳۰]

لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ فتنہ کی آگ خاموش ہوگئی،طوفان ختم ہوگیا ظالموں نے راہ فرار اختیار کی اسلام سربلند ہوگیا۔مختصر اور کمزور طبقا مسلط ہوگیا اور طاقتور طبقہ نیست ونابود ہوگیا۔

خاتون کائنات علیہا السلام نے اس حساس دور کو یاد دلایا جس میں مؤمنین کے لیے ایک دن ایک صدی کے برابر تھا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان بے پناہ نعمتوں کو یاد کریں،ان کی ناشکری نہ کریں، ہمیشہ خدا کے معین کردہ راستوں پر چلیں اور حکومت وقت کی طرف سے ایجاد کردہ فضا میں حواس باختہ نہ ہوجائیں۔

(ھ) حضرت علی علیہ السلام کی قربانیاں:

خطبہ کے اس حصہ کے آخر میں خاتون جنتؑ حضرت علی علیہ السلام کی بے پناہ قربانیوں کا تذکرہ کرتی ہیں کہ انہوں نے خطرناک ترین مواقع پر اسلام کی مدد کی جب بھی آپؐ انہیں بھیجتے تھے تو وہ غیر معمولی جاں نثاری، وفاداری اور قربانی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے۔وہ ان کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جاکر اس کو بلکل ٹھنڈا کر کے خاموش کرتے تھے۔سرکشوں کے سروں کو اپنی تلوار سے کاٹ دیتے تھے۔ان کے غرور کو خاک میں ملا دیتے تھے۔لہٰذا ایسا ہی شخص اس انقلاب کو ادھر ادھر منحرف ہونے سے روک سکتا ہے۔تم اسے ہی اپنا پیشوا بنالو گمراہی سے بچ جاؤ گے۔کیونکہ وہ راہ خدا میں جانفشانی کرنے والے مجاہد اور رسولؐ اللہ کے قریبی،اولیاء اللہ کے سید وسردار ہیں اور وہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور نہ شرماتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱)القرآن،البراہیم،۳۴)
(۲)القرآن،البراہیم،آیت:۷)
(۳)بحارالانوار،ج۱۱۰،ص۳۴)
(۴)بحارالانوار،ج۱۱۰،ص۳۴)
(۵)صحیفہ کاملہ:دعانمبر۳،ص۳۵)
(۶)القرآن،الانبیاء،آیت:۱۰۷)
(۷)بحارالانوار،ج۱،ص۹۷)
(۸)جامع الصغیر،ج۲،ص۲۹۶)
(۹)مناقب ابن شہرآشوب،جلد۱،صفحہ۱۸۶)
(۱۰)مناقب ابن شہرآشوب،جلد۱،صفحہ۱۸۳)
(۱۱)المصنف۔ابن ابی شعبہ،ج۸،ص۴۳۸)
(۱۲)القرآن،المائدہ،آیت:۳)
(۱۳)القرآن،البراہیم،آیت:۱)
(۱۴)القرآن آلعمران:آیت:۱۱۰)
(۱۵)الکافی،جلد۱،صفحہ۲۸۷)
(۱۶)صحیح البخاری،جلد۲،صفحہ۱۰۴)
(۱۷)القرآن،التوبہ،آیۃ۱۰۳)
(۱۸)کافی،جلد۴،صفحہ۶۳)
(۱۹)بحارالانوار،جلد۳۲،صفحہ۵۶)
(۲۰)مستدرک الوسائل،جلد۱۵،صفحہ۱۹۳)
(۲۱)القرآن،البقرۃ،آیۃ۱۷۹)
(۲۲)القرآن،المطففین،آیۃ:۱)
(۲۳)الکافی،جلد۶،صفحہ۴۲۹)
(۲۴)القرآن،النور،آیۃ۲۳)

(۲۵) القرآن، المائدہ: آیۃ ۳۸)

(۲۶) صحیح البخاری، جلد۴، باب المناقب، صفحہ۱۸۳و۲۰۹)

(۲۷) ایضا، ص۲۱۰

(۲۸) صحیح المسلم، جلد۷، صفحہ۱۴۱)

(۲۹) سنن الترمذی، جلد۵، صفحہ۳۶۰)

(۳۰) نہج البلاغہ، خطبہ: ۲۶، جلد۱، ص۶۶، تحقیق شیخ محمد عبدہ، طبع: دار المعرفت بیروت)

المراجع والمصادر

(۱) ابوالفضل احمد ابن ابی طاہر المعروف بابن طیفور (المتوفی ۲۸۰ھ) "بلاغات النساء" المطبعۃ دار الشریف الرضی، قم المقدس ایران۔

(۲) احمد ابن ابی یعقوب بن جعفر ابن وہب ابن واضح بن الکاتب العباسی (المتوفی ۲۸۴ھ) "تاریخ یعقوبی" طبع: دار الصادر بیروت، لبنان۔

(۳) ابوبکر احمد ابن عبد العزیز الجوہری البصری البغدادی (المتوفی ۳۲۳ھ) "السقیفہ و فدك" طبع الثانی، شرکۃ الکتبی بیروت، لبنان۔

(۴) ابوالحسن علی ابن حسین المسعودی الشافعی (المتوفی ۳۴۶ھ) "مروج الذہب"، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۹۲۷ء

(۵) ابوالفرج علی ابن حسین الاصبہانی الاموی المتوفی (۳۵۶ھ): "مقاتل الطالبین"، طبع ثانی: مکتبۃ الحیدریۃ نجف۔

(۶) احمد ابن علی ابن ابی طالب الطبرسی (متوفی ۵۶۰ھ) نے اپنی کتاب: "احتجاج طبرسی"، طبع: نجف الاشرف، سال ۱۹۶۶ع،

(۷) ابوجعفر محمد ابن علی المعروف شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ھ): "علل الشرائع"، طبع نجف اشرف، سال ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ع،

(۸) ابوجعفر محمد ابن علی المعروف شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ھ): "معانی الاخبار"، طبع، انتشارات اسلامی قم ایران۔

(۹) القاضی ابوحنیفہ النعمان بن محمد التمیمی المغربی (۳۶۳ھ): "شرح الاخبار فی فضائل ائمۃ الاطہار"

التحقیق: السید محمد الحسینی الجلالی، الناشر: موسسۃ النشر الاسلامی التابعۃ لجماعۃ من المدرسین قم

(۱۰) ابن طاؤس رضی الدین ابوالقاسم علی ابن موسی الحلی (المتوفی ۶۶۴ھ) اپنی کتاب:
"الطرائف فی معرفۃ مذاهب الطوائف"، طبع اول، سال ۱۳۷۱ھ مطبعۃ الخیام، قم۔ ایران۔

(۱۱) الامام الحافظ رشید الدین ابوعبداللہ محمد ابن علی ابن شہر آشوب ابن ابی نصر ابن ابی حبیش السروی المازندرانی (المتوفی ۵۸۸ھ): **"مناقب آل ابی طالب"**، طبع نجف، ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۶ع

(۱۲) امام محمد بن اسماعیل بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ): ''صحیح البخاری''، ناشر دار الفکر بیروت، سنۃ ۱۴۰۱ھ

(۱۳) امام مسلم بن حجّاج القشیری: "صحیح مسلم،" ناشر دار الفکر بیروت۔ لبنان۔

(۱۴) البلاذری احمد ابن یحیی بن جابر: **فتوح البلدان**، طبع ثانی ۱۳۷۹ھ، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ القاہرہ۔

(۱۵) الترمذی محمد ابن عیسی (متوفی ۲۷۹ھ): ''سنن الترمذی''، دار الفکر بیروت، سنۃ ۱۴۰۳ھ

(۱۶) الشریف مرتضی علی ابن حسین الموسوی (المتوفی ۴۳۶ھ): **"الشافی فی الامامۃ"**
طبع ثانی ۱۴۱۰ھ، موسسہ اسماعیلیان، قم۔ ایران

(۱۷) شمس الدین ابوالبرکات محمد ابن احمد الدمشقی الباعونی الشافعی (المتوفی ۸۷۱ھ):
"جواهر المطالب فی مناقب الامام الجلیل علی ابن ابی طالب"،
طبع اول سال ۱۴۱۵ھ ناشر مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیۃ، قم المقدس، ایران،

(۱۸) الشیخ محمد باقر المجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) ''بحار الانوار''، ناشر مؤسسۃ الوفاء بیروت لبنان،
الطبع الثانیہ، سنۃ ۱۹۹۳ع

(۱۹) علامہ عزالدین ابن ابی الحدید المعتزلی البغدادی (المتوفی ۶۵۶ھ): **"شرح نهج البلاغه"**،
طبع ثانی، دار الاحیاء الکتب العربیہ مصر ۱۹۶۷ء

(۲۰) علی ابن عیسی اربلی (المتوفی ۶۹۳ھ): **"کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ"**، طبع ثانی،
سال ۱۴۰۵ھ ۱۹۹۸ع دار الاضواء، بیروت لبنان۔

(۲۱) محمد ابن جریر ابن رستم الطبری الشیعی (متوفی ۵ھ): **"دلائل الامامۃ"**، طبع اول ۱۴۱۳ھ
ناشر مؤسسۃ البعثۃ، قم۔ ایران

(۲۲) محمد یعقوب کلینی (المتوفی ۳۲۹ھ): "اصول کافی" ناشر دار الکتب اسلامیہ طہران،
طبع چہارم، سال ۱۳۶۵ھ ش

☆☆☆☆☆☆

امام زمانہ = کے انتظار کا فلسفہ

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین ☆
hasnain1971@yahoo.com

ا۔انتظار کا معنی ومفہوم:

''انتظار'' کا معنی مستقبل میں کسی مفقود چیز کے حصول کی توقع رکھنا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے کہ جو منفی روپ دھار لے تو انسان گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے اور اگر مثبت روپ میں ڈھل جائے انسان متحرک اور فعال بن جاتا ہے۔امام زمانہ عج اللہ فرجہ الشریف کے انتظار کے حوالے سے اگر دینی تعلیمات کو دیکھا جائے تو یہ تعلیمات، انتظار کی پہلی قسم پر خط بطلان کھینچتی ہیں۔مثال کے طور پر پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے:

"افضل اعمال امتی انتظار الفرج من الله عزوجل. "

یعنی: میری امت کا بہترین عمل، اللہ تعالی کی طرف سے فرج کا انتظار ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

"انتظار الفرج عبادة"

یعنی: فرج کا انتظار عبادت ہے۔

حضرت علی - سے پوچھا گیا کہ خداوند تبارک وتعالی کی بارگاہ میں کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا:

''انتظار الفرج''

یعنی: فرج کا انتظار

(کمال الدین، ج2، باب55، ح1؛ بحار الانوار، ج52، ص۱۲۲)

واضح سی بات ہے کہ امام زمانہ = کے انتظار کو بہترین عمل اور بہترین عبادت قرار دینا کسی طور بے

☆ محقق، استاذ، فلسفہ اسلامی

عملی اور گوشہ نشینی کے ساتھ قابل جمع نہیں ہے۔ اس لیے کہ عمل اور عبادت کی ذات میں تحرک پوشیدہ ہے اور منطقی طور پر انتظار ایک حالت (Situation) سے راضی نہ ہونے اور اس سے بہتر حالت تک رسائی کی کوششوں کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام زمانہ = کے منتظر انسان کے اندر یہ حالت تنہا اس وقت ایجاد ہو سکتی ہے جب وہ دنیا پر حاکم نظام حیات سے تنگ ہو، ظلم و جور سے تھک چکا ہو اور ایک ایسے افق کی تلاش میں ہو جس کے ماتھے پر عدل و قسط کا سورج طلوع کرے۔ پس حقیقی منتظر وہی ہو سکتا ہے جسے امام کے وجود کی ضرورت کا احساس ہو یا معصومین÷ کے الفاظ میں وہ اپنے آپ کو حجت خدا کے وجود کا محتاج سمجھتا ہو۔

بنابرایں، جب تک ہمارے اندر امام کے وجود اور حضور کی پیاس پیدا نہ ہو جائے، ہم آپ کے حقیقی منتظر نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام کے حضور کی ضرورت سے پہلے ہمیں عدل و انصاف اور ایک دینی الٰہی معاشرے کے قیام کی ضرورت کا احساس اپنے اندر بیدار کرنا ہوگا۔ ہم اس وقت امام کے انتظار میں بیٹھ سکتے ہیں جب اپنے وجود اور اس دھرتی پر عدل و انصاف اور دین و دینداری کی حکومت قائم کرنے کیلئے بے تاب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں امام کے منتظرین کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ:

" و یوطّئون للمهدی سلطانه"

یعنی: وہ حضرت مہدی = کی حکومت اور سلطنت کے قیام کیلئے تگ و دو کرتے ہیں۔

(میزان الحکمۃ، ج2، ص568؛ کنز العمال، ح:۳۸۶۵۷)

ایک اور حدیث میں حضرت امام صادق - فرماتے ہیں:

"لیعدنّ احدکم لخروج القائم و لو سهما فان اللّه اذا علم ذلک من نیته رجوت لان ینسی فی عمره حتی یدرکه و یکون من اعوانه و انصاره ".

یعنی: تم میں سے ہر ایک کو امام کے ظہور کے لیے آمادہ رہنا چاہیے، خواہ ایک تیر ہی کے ذریعے۔ کیونکہ جب خداوند تعالی یہ دیکھے کہ ایک شخص واقعی طور پر امام کی نصرت کی غرض و غایت سے آمادہ ہوا ہے تو ہو سکتا ہے اس کی عمر اتنی طولانی کر دے کہ وہ امام کے حضور کو پا سکے اور آپ کے منتظرین میں سے قرار پا سکے۔

(الغیبہ، نعمانی؛ بحار الانوار، ج52، ص، ۳۶۶)

جب حضرت امام محمد باقر - سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب امام مہدی =ظہور فرمائیں گے تو دنیا کے معاملات خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے اور خون کا ایک قطرہ تک بھی نہیں بہایا جائے گا تو آپ نے فرمایا:

"لا، و الذی نفسی بیده، لو استقامت لاحد عفوا لاستقامت لرسول

اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ حین دمیت رباعیته و شبح فی وجهه؛ لا والذی نفسی بیده حتی نمسح نحن و انتم العرق و العلق ".یعنی:

''ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر خود بخود کسی کیلئے معاملات ٹھیک ہونا ہوتے تو رسول اکرم ﷺ کیلئے ٹھیک ہو جاتے اور نہ آپ کے مبارک دانت ٹوٹتے اور نہ ہی آپ کے چہرہ مبارک پر کوئی خراش آتی؛ نہیں! ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس وقت تک یہ معاملات ٹھیک نہ ہوں گے جب تک کہ ہم تم خاک وخون میں غلطان نہ ہوں۔''

(الغیبۃ، نعمانی؛ بحارالانوار، ج52، ص، ۳۵۸)

پس ان فرامین کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ انتظار گوشہ نشینی نہیں بلکہ عمل اور اقدام کا نام ہے۔ انتظار، امام زمانہ عج اللہ فرجہ الشریف کی ملاقات کی جھوٹی دکانیں چمکانے اور لوگوں کو شریعت اسلام سے دور کرنے کا نام نہیں شریعت اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی کو ڈھال کر ایک دیندار معاشرے کے قیام کی عملی کوششوں کا نام ہے۔ انتظار سستی، کاہلی اور گوشہ نشینی نہیں بلکہ ایک معرکہ ہے جو انتظار کرنے والے کو اپنی ہوا وہوس کے خلاف بھی لڑنا ہے اور دنیا میں موجود کجرویوں سے بھی نبرد آزما ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مہدی = کے انتظار کو پیغمبر اکرم ﷺ کی رکاب میں جہاد کرنے اور دشمن کی پیشانی پھاڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے:

"کمن قارع مع رسول الله بسیفه".

(بحارالانوار، ج52، ص، ۱۲۶)

۲۔ انتظار کی ضرورت:

بہت سی روایات میں امام کے انتظار کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ نمونے کی چند ایک روایات ملاحظہ فرمائیے:

۱ .ان القائم منا هو المهدی الذی یحب ان ینظر فی غیبته و یطاع فی ظهوره ."

یعنی: ہم میں سے جو شخص قیام کریں گے وہ مہدی ہیں کہ جن کی غیبت میں ان کے ظہور کا انتظار کرنا واجب ہے اور ظہور میں ان کی اطاعت واجب ہے۔ (منتخب الاثر، ص، ۲۲۳)

"عن الی عبدالله علیه السلام انه قال: الا اخبرکم بما لا یقبل الله عزوجل من العباد عملا الا به؟ فقلت: بلی، فقال ...و انتظار القائمؑ "

یعنی: امام صادق علیہ السلام نے راوی سے فرمایا کہ تمہیں لوگوں کے اعمال کی قبولی کا معیار بتاوں؟ راوی نے کہا جی ہاں! امام نے فرمایا:۔۔۔اور حضرت قائم = کے ظہور کا انتظار۔ (الغیب، نعمانی، ص، ۲۰۰)

یہاں سوال یہ ہے کہ امام کا انتظار کیوں ضروری ہے؟ اس سوال کے جواب میں درج ذیل امور کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے:

الف) انتظار ایک تربیتی ورکشاپ ہے۔ اپنے اندر اور معاشرے کے اندر کوئی بھی تبدیلی لانے کیلئے ایک بعض تربیتی دوروں کا پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنی تربیت کے بغیر کوئی انسان بھی معاشرے کی تربیت نہیں کرسکتا۔ امام زمانہ = کے ظہور کا مطلب عالمی انسانی معاشرے کی اصلاح ہے اور واضح سی بات ہے کہ اس اصلاح میں ایک مومن کا جو کردار ہے وہ یہ کردار تنہا اسی وقت ادا کرسکتا ہے جب ضروری آمادگی رکھتا ہو۔ پس انتظار یعنی خودسازی۔ یہی وجہ ہے کہ دینی پیشواوں نے ہمیشہ انتظار اور منتظر رہنے پر بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

انتظار کی اہمیت کے حوالے سے یہی کیا کم ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں انتظار امام کو اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آج میشل فوکو اور برنارڈ لوئیس جیسے یورپی اور بعض یہودی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ تشیع کی بقا، دو عناصر میں ہے: ایک ان کے سرخ نظریہ میں؛ یعنی شہادت کا وہ نظریہ جو انہوں نے امام حسین - کے انقلاب سے لیا گیا ہے اور دوسرا سبز نظریہ میں؛ یعنی انتظار اور امید کا وہ نظریہ جو انہوں نے امام زمانہ کے وجود سے لیا ہے۔

(بہ نقل از: مجلّہ بازتاب اندیشہ، خرداد 80، ص193؛ مجلّہ موعود، ش 25و26)

ب) ایک اور زاویہ جس سے امام زمان = کی مثبت انتظار کے نظریہ کی اہمیت کو درک کیا جاسکتا ہے وہ، دشمن کی اس حوالے سے فعالیت ہے۔ جھوٹے مہدی تراشنا، آج دشمن کا عالم تشیع میں ایک پسندیدہ اور سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ اس حوالے سے چھپنے والا مواد ایک لمحہ فکریہ ہے۔ آج پاکستان کی سرزمین پر بہائیت اور بابیت جیسے غیر مسلم فرقوں کو جو سرکاری حمایت حاصل ہے وہ قابل غور ہے۔ عالمی سطح پر اس حوالے سے 1982 میں ''نوسٹرآ داموس'' نامی ایک فیلم کا متواتر تین ماہ تک بعض امریکی ٹی وی چینلز سے نشر ہونا، امام زمانہ کی شخصیت کو خراب کرنے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔ دشمن کو یہ فکر کیوں لاحق ہوئی ہے؟

کیا وجہ ہے کہ جب بغداد کی ایک مسجد سے امریکن ایک امام مسجد کو گرفتار کرتے ہیں تو کئی ماہ متواتر تشدد کے ساتھ اس سے تنہا یہی ایک سوال پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تمہارے امام زمانہ کا ایڈریس کیا ہے؟ یقیناً یہ سب کچھ اسی لیے ہے کہ دشمن امام زمانہ کے ظہور سے خائف ہیں اور ہر قیمت میں اس عالمی اسلامی انقلاب کو روکنے کے درپے ہیں۔ لہذا ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں میں امام زمانہ کے حوالے سے انحرافی نظریات پھیلا دیں اور غیر مسلمانوں کو امام زمانہ کے حوالے سے اسلام کے پیش کردہ نظریہ مہدویت سے بددل کردیں۔

۳۔ انتظار کے دو اہم پہلو:

یہاں امام کے حقیقی ماننے والوں کیلئے ایک اور سوال یہ ہے کہ کیسے آمادہ ہوا جائے۔ کیسے انتظار میں بیٹھا جائے؟ اس حوالے سے ہمیں درج ذیل دو حوالوں سے آمادہ ہونا ہوگا:

الف۔فکری آمادگی:

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"لکلّ شی دعام و دعام هذا الدين الفقه و الفقيه الواحد اشدّ على الشيطان من الف عابد ."

یعنی: ہر شئ کی کوئی نہ کوئی اساس اور بنیاد ہوتی ہے اور دین اسلام کی بنیاد، عمیق فہم و بصیرت ہے اور دین کا فہم و ادراک رکھنے والا ایک انسان شیطان کے مقابلے میں ایک ہزار عبادت گزار مسلمان سے زیادہ وزنی ہے۔ بنابرایں، انتظار کے مرحلے میں ایک مومن کا فریضہ یہ ہے کہ اپنے دین کے حوالے سے عمیق فکری بصارت حاصل کرے۔

ب۔روحی آمادگی:

علمی آمادگی کے ساتھ ساتھ آج ہمیں روحانی اور نفسیاتی طور پر ہر امتحان سے گذرنے کیلئے آمادہ ہونا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ امام زمان علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں ہمارا خوب خوب امتحان لیا جائے گا۔ حضرت امام باقر -سے جب پوچھا گیا کہ آپ کو کب گشائش (فرج) حاصل ہوگی تو آپ نے فرمایا:

"هيهات، هيهات لا تكون فرجنا حتى تغربلوا ثم تغربلوا - يقولها ثلاثا - حتى يذهب الكدر و يبقى الصفور ".

یعنی: ہرگز نہیں، ہرگز نہیں! ہمیں اس وقت تک فرج (آسودگی) حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ تمہیں (امتحانات کی چھنی میں) چھانا نہ جائے، پھر تمہیں (امتحانات کی چھنی میں) چھانا نہ جائے؛ آپ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور اس کے بعد فرمایا: یہاں تک کہ کھوٹا کھرا جدا جدا نہ ہو جائے۔ (اثبات الہداۃ، ج ۷، ص ۲۴)

اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنے اندر یہ آمادگی کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں درج ذیل امور پر توجہ دینا ہوگی:

ا۔اپنی اہمیت کا ادراک:

حضرت امام علی -فرماتے ہیں:

"قدر الرجل على قدر همته ".

یعنی: ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عزم و ارادے کے مطابق ہے۔
(نہج البلاغہ، کلمات قصار، ش 47)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنی اور اپنے مکتب کی اہمیت اور بالخصوص امام زمانہ کے نظریہ ظہور کی اہمیت کو سمجھنا اور دل کی گہرائیوں سے اس پر ایمان لانا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم دنیا میں کس لیے لائے گئے ہیں۔ آیا ہم ہی نہیں ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (آل عمران / ۱۱۰)

یعنی: تم ہی وہ بہترین امت ہو جسے پوری انسانیت کیلئے بھیجا گیا ہے۔

پس ہماری قدر و قیمت اس دنیا کی حقیر زندگی اور دنیا کے حقیر مکاتب فکر کی پیروی نہیں ہے۔ مسلم امت اور اس میں مکتب تشیع کی قدر و قیمت یہ ہے کہ اسے عالم انسانیت کی امامت کی لیاقت اور ذمہ داری عطا کی گئی ہے۔ اور اگر ہمارا تعلق ایک ایسے دین، ایک ایسے مکتب اور ایک ایسی ملت سے ہے کہ جس کا انتخاب ہوا ہے پوری انسانیت کی ہدایت و امامت کیلئے تو پھر ہمیں یہ ذمہ داری ادا کرنے کیلئے جان جوکھوں میں ڈالنا ہوگی، شب و روز محنت کرنا ہوگی، ہر قربانی دینے کیلئے آمادہ رہنا ہوگا اور تنہا اسی صورت میں ہمارا شمار اس مکتب و ملت کے افراد میں سے ہوگا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا عدالت کا　　لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۲۔ اطاعت اور تقوی:

ارشاد پروردگار ہے:

" وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" (طلاق/2)

یعنی: جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کیلئے راستہ نکال دے گا۔

پس اگر ہم تقوی اختیار کریں تو ایک طرف دشمنوں کی چالوں میں گرفتار ہونے سے بچ سکتے ہیں اور دوسری طرف اپنے ہدف تک رسائی کی راہ پیدا کر سکتے ہیں۔

۳۔ خدا کے ساتھ رابطہ:

کسی بھی شخص کو کوئی بڑی ذمہ داری لینے کیلئے خدا سے رابطہ برقرار کرنا چاہیے۔ حتی رسولخدا ﷺ کے بارے میں قرآن آپ سے یوں ارشاد فرماتا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا" (مزمل، ۱ تا ۵)

یعنی: اے چادر لپیٹے ہوئے! رات کا اکثر حصہ حالت قیام میں گذارو! آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کی پوری توجہ سے تلاوت کیا کرو کہ ہم عنقریب آپ پر سنگین بات ڈالنے والے ہیں"

ان آیات کی روشنی میں کوئی بھی بڑی ذمہ داری اس وقت ادا کی جاسکتی ہے جب ہم رسولخدا کی سیرت پر چلتے ہوئے شب زندہ دار بنیں، اہل دعا و مناجات ہوں اور ہمارا خدا کے ساتھ رابطہ استوار ہو۔ اس لیے کہ تنہا شب زندہ داری، دعا و مناجات اور خداوند عالم کے ساتھ بندگی کا محکم رابطہ ہی انسان کو مرد میدان بنا سکتا ہے۔

۴۔ انتظار کی فکری بنیادیں:

ذیل میں یہ دیکھیں گے کہ کون سے عوامل امام مہدی = کے انتظار کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور اسے ایک واہی خیال کی بجائے مسلمہ حقیقت قرار دیتے ہیں۔

۱۔ انتظار ایک انسانی حقیقت:

اس عنوان کے تحت جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ انتظار کا جو فلسفہ اہل تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے وہ انتظار کے اس تصور سے بہت مختلف ہے کہ جو فیچو ریزم (Futurism) کے عنوان کے تحت انسانی مطالعات کا موضوع اور انسانی دل و دماغ کا عقیدہ قرار پاتا ہے۔ ان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ فیچو ریزم میں ایک ایسے سپر مین کا انتظار کیا جا رہا ہے کہ جو ظہور کرے، دنیا کو عدل و قسط سے پر کر دے اور عدل و قسط کے قیام کی تگ و دو میں ان کے ہمراہ کسی انسان کو شریک نہ ہونا پڑے اور نہ ہی کوئی زحمت اٹھانا پڑے۔ اس کے برعکس، مکتب تشیع میں انتظار، بنیادی طور پر ایک فعالیت Activity کا نام ہے۔ انتظار ایک ایسی بشری حقیقت ہے کہ جس کا نقطۂ آغاز ہم زمینی انسان ہیں۔ ہمیں نجات کی ضرورت ہے۔ اور یہ نجات پانے کیلئے سب سے پہلے خود ہمیں بدلنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم جس قدر بدل سکتے ہیں، اس قدر نہ بدلیں، ہمارے اندر انتظار کی حقیقت، سما نہیں سکتی اور نہ ہی ہم منتظر کہلا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایسے منجی کی ضرورت پیش آتی ہے کہ جو ان حالات کو بدلے جو ہمارے بدلنے کے نہیں ہیں۔ ایک ایسا منجی بشریت کہ جس کا رابطہ حقیقت وحی سے ہو۔ پس سب سے پہلے مرحلہ پر ہمیں یہ باور کرنا ہوگا کہ علم، تجربہ، ٹیکنالوجی، فلسفہ، سیاست، شعر، ہنر، بادشاہی، جمہوریت، غرض کہ کوئی بھی فکری اور بشری نظام ہمارے کسی درد کی دوا نہیں ہے۔ نیز ہمیں یہ سب کچھ بدلنا ہے اور تبدیلی کے اس عمل میں سب سے پہلے خود ہمیں بدلنا ہے۔ اس کے بعد یہ توقع کہ ہماری اجتماعی حالت تنہا ایک الٰہی نظام اور الٰہی رہنما ہی کی موجودگی میں بدل سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو، تب امام زمانہ = کے انتظار کا مقولہ صحیح معنی و مفہوم پاتا ہے۔

انتظار کے اس معنی و مفہوم کی روشنی میں ایک منتظر کے اپنے بدلنے کے باوجود بھی چونکہ اس کا محیط و معاشرہ نہیں بدل سکتا، لہٰذا یہ منتظر، تنہا کسی معاشرتی تبدیلی کا منتظر نہیں رہتا بلکہ ایک منجی بشریت کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ یوں اصلاح احوال کی یہ بشری حقیقت، امام زمانہ = کے انتظار کو فکری بنیاد عطا کرتی ہے۔

۲۔ ناقابل حل بحران:

آج کا دور سیاسی، اخلاقی، معنوی اور اقتصادی بحران کا دور ہے۔ اس دور میں ہر انسان کسی پناہ گاہ کی تلاش

میں ہے۔لیکن اسے کوئی پناہ نہیں ملتی۔ ہر دین اور ہر دانشور کا کسی مصلح کی تلاش میں ہونا، یقیناً انسانیت کے اضطراب کا زمانہ کا آئینہ دار ہے۔ یہ بات بڑی جرأت سے کہی جا سکتی ہے کہ آج کے دور کی جدید ٹیکنالوجی، اخلاق اور انسانیت کے انحطاط کا سبب ہے۔آج عالمی سطح کے ادارے، جن کا کام انسانیت کی خدمت تھا، استعمار کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ یو.این.او. آمریکا جیسے چند ملکوں کی لونڈی ہے۔ ورلڈ بینک غریب ممالک کا خون چوسنے کا آلۂ کار ہے۔ دہشت گردی روکنے کے نام پر سرکاری دہشت گردی کا دور دورہ ہے۔ اور یہی بحرانی حالت پوری انسانیت کیلئے ''انتظار'' کے کلمے کو ایک بامعنی کلمہ بنا کر پیش کرتی ہے۔اس صورتحال کو جو عامل بدل سکتا ہے وہ حقیقی انتظار ہے۔

۳۔انسان کی وجودی ساخت :

انسان کے وجود کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اگر پوری دنیا کے اسباب و وسائل بھی اسے عطا کر دیے جائیں تب بھی اس کی ساری حسرتیں مٹ نہیں سکتیں۔ کیونکہ انسان کا دل، اس کی امنگیں اور حسرتیں دنیا کی وسعت سے وسیع تر ہیں۔آج انسان اس قدر اپنی دنیاوی حسرتوں کو پورا کرنے میں آگے نکل چکا ہے کہ اب تھکاوٹ کا احساس کر رہا ہے۔ اسے بخوبی یہ احساس ہو چلا ہے کہ عالم مادہ اور مادی دنیا میں وہ دم خم نہیں کہ اس کی سب حسرتیں مٹا سکے اور اس کیلئے سکون کی دولت فراہم کر سکے۔

وہ حسرت جو دنیا نہیں مٹا سکتی وہ ایک کلمہ میں ''خدا'' ہے۔ کیوں آج امریکہ میں مظاہرہ ہوتا ہے کہ خدا انسان کی زندگی میں واپس لوٹ آئے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کافر کی دنیا اتنی تنگ ہے کہ اس کیلئے ہوس رانی اور شہوت پرستی کے تمام دروازے کھلے ہونے کے باوجود یہ دنیا اسے ایک زندان محسوس ہوتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کی آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

بنابرایں، جب یہ دنیا اپنی تمامتر وسعتوں کے باوجود ایک انسان پر تنگ و تاریک ہو جاتی ہے تو ایک خلیفۂ الٰہی کے ''انتظار'' کا نعرہ معنی و مفہوم پاتا ہے۔ دنیا کے زندان سے تنگ انسان ایک ایسے وجود کا محتاج اور منتظر ہے جو اسے بلندیوں تک لے جائے۔

آج کا انسان سب سہولیات میسر ہونے کے باوجود بھی منتظر ہے کیونکہ ایک طرف اس کی اپنی ساخت و سازا سے اس جہان مادہ پر قانع نہیں ہونے دیتی اور دوسری طرف عالم مادہ کے دامن میں وہ گنجائش نہیں ہے کہ انسان اس سے مانوس ہو سکے۔ مشینی دور نے آج کے انسان کو تنہا کر دیا ہے اور وہ عجیب قسم کی غربت کے احساس میں مبتلا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آج یورپ کا ادیب اپنے تمام تر ادبی پارے خلق کرنے کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ اے کاش! میں راہب ہوتا۔ یہ آواز صدائے بازگشت ہے اس کی وجودی ساخت و ساز کی اور دنیا کی حقیقت کی۔ پس وہ انتظار میں ہے۔اور یہ اس کا اپنا وجود ہے جو اسے انتظار کے دروازے پر لایا ہے۔

ہاں! ابھی وہ پہچان نہیں پایا کہ یہ دروازہ کس کا دروازہ ہے۔

۴۔اصلاح کے دعویداروں کی ناکامی:

ایک اور عامل جس نے امام زمانہ علیہ السلام کے انتظار کی حقیقت کو تفسیر عطا کی ہے وہ معاشرتی اصلاح احوال کی کوشش کرنے والوں کی ناتوانی ہے۔ارباب سیاست اور اہل حل وعقد کی تمامتر کوششوں انسانیت کو وحشت اور ناامیدی کے علاوہ کچھ مہیا نہیں کرسکیں۔افلاطون سے لے کر وقتِ حاضر کے فلسفۂ سیاست کے دعویدار، کبھی بھی ایک عادلانہ نظام حکمرانی قائم نہیں کر سکے۔نہ فارابی کا ''مدینۂ فاضلہ''، نہ تھامس کا میانلا کا ''شہر آفتاب''، نہ ویکٹور ہوگو کی انٹرنشنل جمہوریت، نہ کنٹ کا تھیوکریٹک معاشرہ، نہ تھامس مور کی بہشت، غرض کہ آج تک ارباب دانش اور اہل دنیا کی کوئی تھیوری بھی انسانیت کے کام نہیں آسکی۔آج یورپ کے دانشور کا یہ کھلا اعتراف موجود ہے کہ ہمارے یورپی معاشرے کی مشکلات ختم ہوتی نظر نہیں آتیں؛ اخلاقی انحطاط کی بدبو بڑی شدت سے محسوس ہورہی ہے اور جتنے بھی منصوبے اس حالت کو بدلنے کیلئے پیش کیے جا رہے ہیں، وہ حالات کو بگاڑتے ہی چلے جارہے ہیں اور اس گھوڑے سوار کے وجود کا انتظار بڑھتا جارہا ہے جو آکر بگڑی سنوارے۔

۵۔ ہدایت وارشاد:

اس عصر دلگداز میں جہاں انسانیت کے دنیاوی چارے وعلاج سے مایوسی بڑھتی جارہی ہے، وہاں امام زمانہ علیہ السلام کی اپنے ماننے والوں کی مدد اور ان کی راہنمائی، ''انتظار'' کے مقولے کو ایک اور مضبوط فکری بنیاد فراہم کرنے کا عامل اور عنصر ہے۔ایسے مومنین کی تعداد کم نہیں ہے جو آج کے اس المناک دور میں بھی اپنے وقت کے امام سے توسل اور امام کی راہنمائی اور ارشاد کے سہارے تکامل کا راستہ طے کررہے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ ہر معاشرہ تنزل کا شکار ہو۔آج بھی وہ معاشرہ آگے بڑھ رہا ہے جو امام زمانہ علیہ السلام کے حقیقی انتظار کا عصا ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔کوئی مسیحا آج بھی لاکھوں انسانوں کی مشکلات کا مداوا کررہا ہے۔

امام زمانہ علیہ السلام کا واضح ارشاد موجود ہے کہ:

''وجه الانتفاع بی فی غیبتی کالانتفاع بالشمس اذا غیبها عن الابصار السحاب و انّی لامان لاهل الارض کما انّ النجوم امان لاهل السماء''

یعنی: میری غیبت میں مجھ سے ایسے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جیسے سورج سے؛ جب اسے بادل چھادیں اور میں اہل زمین کیلئے اسی طرح سے امان ہوں جیسے ستارے آسمان والوں کیلئے امان ہیں'' (احتجاج طبرسی، جلد۲، صفحہ۲۸۴)۔

آج بھی وہ فرزند زہرا (علیہ وعلیہا السلام) لوگوں کے درمیان گھومتے پھرتے ہیں لیکن لوگ انہیں پہچانتے نہیں۔آپ موسم حج میں حج کے مناسک میں حضور پاتے ہیں۔آپ کی توقیعات اور دعاوں سے پتہ چلتا ہے

کہ آپ کا اپنے شیعوں پر ایک خاص لطف و کرم ہے۔ آپ شیخ مفید کے نام اپنی توقیع میں لکھتے ہیں:

"فانا نحیط علما بنبائکم و لایعزب عنا شی من اخبارکم"

یعنی: ہمیں تمہارے احوال کا پورا پورا علم ہے اور آپ کی کوئی خبر ہم سے پوشیدہ نہیں رہتی۔

(احتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۵۹۶)

۵۔ الٰہی وعدہ:

آپ کے انتظار کا ایک اور عامل اور فکری بنیاد، وہ بشارتیں ہیں جو انسانیت کے مستقبل کے بارے میں قرآن کریم اور معصومین علیہم السلام کے فرامین میں پائی جاتی ہیں۔ قرآن میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

" وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ "(انبیاء/ ۱۰۵)

یعنی: ''اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ میرے صالح بندے زمین کے وارث بنیں گے''۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی یہ بشارت ابھی تک پوری نہیں ہوئی اور آج بھی اہل قرآن کو اس بشارت کے تحقق پانے کا انتظار ہے۔

یہ بشارت ان کے دل میں امید کی کرن روشن کیے ہوئے ہے۔ حضرت امام محمد باقر - فرماتے ہیں:

''وہ شائستہ بندے جو زمین کے وارث بنیں گے، آخری زمانے میں مہدی علیہ السلام کے اصحاب ہوں گے۔''(تفسیر مجمع البیان، ج ۷، ص ۶۶)۔

ایک اور روایت میں حضرت امام رضا- سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

"ما احسن الصبر و انتظار الفرج، أما سمعت قول العبد الصالح (فارتقبوا انّی معکم رقیب) ، (و انتظروا انّی معکم من المنتظرین) فعلیکم بالصبر انّما یجیء الفرج عی الیأس..."(بحار الانوار/ ج ۲۵، ص ۱۲۹).

یعنی: ''کتنا اچھا ہے صبر کرنا اور فرج کا انتظار؛ آیا تم نے عبد صالح کا یہ قول نہیں سنا کہ:

''مراقب رہو، میں بھی تمہارے ساتھ رقیب ہوں'' (ھود/۹۳)؛

''اور منتظر رہو کہ میں بھی آپ کے ساتھ انتظار میں ہوں'' (اعراف/۷۱)۔

پس (اے میرے شیعو!) صبر پیشہ بنو! کہ فرج (یعنی امام زمانہ علیہ السلام کا ظہور) ناامیدی کے بعد ہوگا۔''

یہ آیات اور روایات وہ بشارتیں اور وعدۂ الٰہی ہے کہ جو انسانیت کو ایک روشن مستقبل کی نوید دلاتی ہیں اور اس کے سامنے امام زمانہ = کے انتظار کو ایک بامعنی مفہوم انسانی تمایل کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

کتاب شناسی

جامع احادیث الشیعۃ

سید رمیز الحسن موسوی ☆
srhm2000@yahoo.com

شیعہ کتب حدیث کے سلسلے کی ایک آخری کڑی ''جامع احادیث الشیعہ'' ہے کہ جو عالم التشیع کے ایک نامور فقیہ آیت اللہ العظمیٰ سید حسین بروجردیؒ کی فکری، علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب عربی میں تالیف کی گئی ہے جس میں فقیہی احکام سے متعلق احادیث کو آیت اللہ برجردیؒ کے خاص اسلوب اور سلیقے کے تحت تدوین کیا گیا ہے اس کتاب کی تدوین کا کام آیت اللہ برجردیؒ کے زیر نظر خود اُنہی کے شاگردوں کے ایک علمی اور تحقیقی گروہ کے ذریعے شروع ہوا تھا جس کی نظارت خود آیت اللہ مرحوم کر رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس کتاب کے بارے میں تفصیل پیش کریں خود آیت اللہ بروجردیؒ کی علمی اور فقہی حیات کا مختصر تعارف پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ اس کتاب کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

آیت اللہ بروجردیؒ :

آیت اللہ سید حسین بروجردی طباطبائی، ماہ صفر ۱۲۹۲ھ میں ایران کے تاریخی شہر بروجرد کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے، اُن کے والد حجۃ الاسلام والمسلمین سید علی طباطبائی ایک جلیل القدر عالم دین تھے جو بروجرد شہر میں تقویٰ، علم و فضل کی وجہ سے عوام کی توجہ کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔

اس خاندان کا سلسلہ نسب ۳۲ واسطوں سے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ خاندان طباطبائی کے علمی سلسلے کی ایک اہم کڑی سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ اس خاندان میں ہر دور میں علمی، فقہی اور اجتماعی شخصیات گذرتی رہی ہیں اور یہ خاندان علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے عوام کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔

آیت اللہ بروجردیؒ نے سات سال کی عمر میں اپنے محلے کے ایک مکتب خانے سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور دینی علوم کی ابتدائی کتاب ''جامع المقدمات'' شروع کی اور جلد ہی اپنی خداداد استعداد اور ذہانت کی وجہ سے اپنے ساتھی طالب علموں میں ممتاز حیثیت سے پہنچانے جانے لگے۔ اسی علمی شوق و ذوق کو دیکھتے ہوئے اُن کے والد

☆ مسئول شعبہ ترجمہ و تحقیق، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بہارہ کہو، اسلام آباد

گرامی اُنہیں بروجرد کے حوزہ علمیہ نوربخش میں لے گئے جہاں اُنھوں نے باقی مقدماتی علوم شروع کئے، اس طرح وہ صرف ونحو، معانی وبیان، منطق، اصول فقہ اور فقہ کی ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد اصفہان کی طرف چل پڑے جہاں اُنھوں نے حاج سید محمد باقر درچہ ای ؒ، میرزا ابوالمعالی کلباسی، سید محمد تقی مدرس، آخوند کاشی اور جہانگیر خان قشقائی جیسی علمی شخصیات کے زیر سایہ اصول، فقہ، فلسفہ، رجال اور دوسرے اسلامی علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔

اصفہان میں چار سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے والد کے حکم پر واپس بروجرد لوٹ آئے، جہاں شادی کرنے کے بعد وہ دوبارہ اصفہان لوٹ گئے اور اپنی علمی مشغولیت دوبارہ شروع کردی۔ اسی دوران اُنہیں دوبارہ والد محترم کی جانب سے حکم ملا کہ وہ مزید تحصیل علم کے حوزہ علمیہ نجف اشرف کی طرف ہجرت کریں لہٰذا ستائیس سال کی عمر میں وہ نجف اشرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ نجف اشرف میں وہ آیت اللہ العظمیٰ آخوند ملا محمد کاظم خراسانیؒ کے محضر مبارک سے علمی استفادہ کرتے ہیں۔ اسی طرح نجف میں وہ آیت اللہ سید کاظم یزدی ؒ اور آیت اللہ شریعت اصفہانی ؒ سے بھی فقہ واصول اور علم رجال میں کسب فیض کرتے ہیں۔

اجازات:

آیت اللہ بروجردی ؒ کے علمی مقام ومرتبے کی شناخت کے لئے، اُن علمی اجازات کا تذکرہ ضروری ہے کہ جو اُنھوں نے اپنے بزرگ اساتذہ سے حاصل کئے ہیں۔ چونکہ گذشتہ زمانے میں اساتذہ اور علمی شخصیات کے اجازات کسی شخص کی علمی منزلت کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ تھے، ان اجازات میں جو کچھ لکھا جاتا تھا وہ مبنی برحقیقت ہوتا تھا کیونکہ بزرگ علماء سے بعید سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی شخص کی صلاحیتوں کو پرکھے بغیر اس کی تعریف وتمجید کریں۔

آیت اللہ بروجردی ؒ نے جن علمی شخصیات سے علمی اجازات حاصل کئے ہیں وہ یہ ہیں:

الف: اجازہ نامہ آخوند خراسانی ؒ: اس اجازہ نامے میں آخوند خراسانیؒ نے جس انداز میں اپنے اس بلند مرتبہ شاگرد کی توصیف کی ہے، اُس سے آیت اللہ بروجردیؒ کی علمی قابلیت کا بخوبی اندازلگایا جاسکتا ہے۔ (اختصار کے پیش نظر ہم اجازات کا متن پیش کرنے سے قاصر ہیں)

ب: اجازہ نامہ آیت اللہ شیخ الشریعہ اصفہانی ؒ: آیت اللہ العظمیٰ ملا فتح اللہ نمازی شیرازی المعروف شیخ الشریعہ اصفہانی ؒ نے اپنے اس اجازہ میں آیت اللہ بروجردی ؒ کے علم وفضل اور استعداد کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔

ج: اجازہ نامہ سید ابوالقاسم دھکردی: یہ آیت اللہ بروجردی ؒ کے اُستاد تو نہیں تھے لیکن اُن کی علم ودانش اور فضیلت سے آگاہ تھے اس لئے جب آیت اللہ بروجردی، اصفہان سے نجف اشرف کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ عالم دین اُنہیں اپنے اجازے سے نوازتے ہیں۔

آیت اللہ بروجردی، اجازات اجتہاد کے علاوہ چھ بلند پایہ علمائے دین سے اجازہ روایت بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جو ان کی علم حدیث میں استعداد اور صلاحیت کی دلیل ہے۔ اُن کو روایت کا اجازہ دینے والے علمائے دین کے نام یہ ہیں:

۱۔آیت اللہ العظمیٰ آخوند ملا محمد کاظم خراسانیؒ
۲۔آیت اللہ شیخ فتح اللہ نمازی شیرازیؒ (المعروف شریعت اصفہانی)
۳۔آیت اللہ شیخ محمد تقی اصفہانیؒ (المعروف آقا نجفی)
۴۔آیت اللہ سید ابوالقاسم دھکردی اصفہانیؒ
۵۔علامہ شیخ آقا بزرگ تہرانیؒ
۶۔علامہ علم الھدیٰ ملایری

نجف اشرف سے واپسی:

آیت اللہ بروجردیؒ ۱۳۲۸ھ میں اپنے والد گرامی کے اصرار پر نجف اشرف سے واپس بروجرد آجاتے ہیں، اسی دوران ان کے والد کا انتقال ہوجاتا ہے۔اس کے بعد وہ ۳۳ سال تک بروجرد میں قیام پذیر رہتے ہیں اور فقہ و اصول کی تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہوجاتے ہیں۔لہٰذا اسی دوران وہ حاشیہ بر عروۃ الوثقیٰ جیسی علمی کتاب تالیف کرتے ہیں۔اس کے علاوہ شاہی استبداد کے مقابلے میں اپنے شہر کے عوام کی حمایت اور کمک سے بھی دریغ نہیں کرتے لہٰذا اس دوران آیت اللہ بروجردی کی اجتماعی خدمات اور سیاسی موقف اور بطور اعتراض نجف اشرف کی طرف سفر جیسے واقعات کے مطالعے سے ان کے اجتماعی و سیاسی تدبر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے

حوزہ علمیہ قم میں قیام:

۱۳۶۴ھ میں آیت اللہ بروجردی بیمار ہوجاتے ہیں اور علاج کے لئے تہران آتے ہیں۔اس دوران وہ تہران کے ایک ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں جہاں اُن کا آپریشن ہوتا ہے۔قم اور تہران کے علمائے دین اور علمی شخصیات اُن کی عیادت کے لئے آتی ہیں،اسی دوران موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حوزہ علمیہ کی چند نمایاں شخصیات جن میں سرفہرست حضرت امام خمینیؒ تھے،اُن کی عیادت کے لئے آتے ہیں اور علاج کے بعد اُن سے قم میں قیام، دنیائے تشیع کی مرجعیت اور حوزہ قم کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔یہ بات تمام بزرگوں کے اصرار اور قرآن سے استخارے کے بعد آیت اللہ بروجردی قبول کرلیتے ہیں۔اور پھر وہ امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے مشہد مقدس چلے جاتے ہیں اور وہاں سے واپسی پر جب ۲۶ صفر ۱۳۶۴ھ کو قم مقدس آتے ہیں تو قم کے بہت سے علماء اور عوام اُن کا شاندار استقبال کرتے ہیں۔

حوزہ قم کے اکثر علماء وفضلا اور مدرسین منجملہ امام خمینیؒ،آیت اللہ سید محمد محقق داماد،آیت اللہ مرتضیٰ حائری، آیت اللہ بروجردیؒ کے درس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے شاگردوں کے ساتھ ان کے دروس میں شرکت کرتے ہیں۔اسی طرح آیت اللہ صدرالدین صدرؒ کہ جو اس وقت کے مراجع تقلید میں سے تھے اور حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم میں نماز جماعت کراتے تھے،نماز جماعت کی ذمہ داری بھی آیت اللہ بروجردی کے

سپرد کر دیتے ہیں تا کہ حوزہ علمیہ قم کی سرپرستی اُن کے لئے مشخص ہو جائے اور عوام بھی اُنہیں ایک مرجع تقلید اور سرپرست حوزہ کے عنوان سے پہنچان لیں۔

اسی طرح اس زمانے کے ایک اور مرجع تقلید آیت اللہ سید محمد حجت اپنے درس وتدریس کی ذمہ داری بھی اُن کے سپرد کر دیتے ہیں۔آیت اللہ سید محمد تقی خوانساریؒ بھی بطور احترام اُن کے درس میں شرکت کرتے ہیں تا کہ اُن کا علمی مقام ومنزلت اُجاگر کیا جا سکے۔

ذاتی خصوصیات:

حوزہ علمیہ قم کے مراجع تقلید اور علمائے کرام کی طرف سے اس قدر احترام اور تجلیل سے پتا چلتا ہے کہ آیت اللہ بروجردیؒ غیر معمولی علمی وفقہی صلاحیتوں کے مالک تھے اور اُن کی اس علمی استعداد اور قابلیت سے آشنا علمائے دین نہیں چاہتے تھے کہ وہ بروجرد میں رہ کر اپنے آپ کو ضائع کر دیں بلکہ اُن کا صحیح مقام حوزہ علمیہ قم تھا۔اسی لئے امام خمینیؒ جیسے علماء نے بہت اصرار کے ساتھ اُنہیں قم میں قیام کی دعوت دی اور پھر اُن کے اجتماعی مقام ومنزلت کے لئے خود بھی اُن کے دروس میں شرکت کی۔

کہتے ہیں کہ جب آیت اللہ بروجردیؒ کی مرجعیت اور علمی مقام سے لوگ آشنا ہو گئے اور وہ بحیثیت ایک مرجع تقلید کے پہنچانے جانے لگے تو امام خمینیؒ نے اُن کے درس میں جانا چھوڑ دیا تھا۔یعنی؛حضرت امامؒ کو اُن کے درس کی ضرورت نہیں تھی وہ صرف اُن کی پہچان کروانے کے لئے اُن کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

اُن کی شخصیت سے آگاہ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بے مثال ذہانت وذکاوت اور غیر معمولی علمی استعداد کے مالک تھے اور اکثر سیاسی واجتماعی مسائل میں بصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ امور مملکت سے بھی آگاہ تھے اور بہت ہی دور اندیش اور مدبر ومدبر شخصیت کے مالک تھے۔ان تمام خصوصیات کے علاوہ وہ اپنے تمام کاموں میں مکمل اخلاص بھی رکھتے تھے۔

وہ آخری عمر تک علم ومعرفت کے حصول کے لئے سعی وکوشش کرتے رہے ہیں،بارہا دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز عشاء کے بعد صبح فجر تک مطالعے میں مصروف رہتے تھے اور بغیر مطالعے کے مجلس درس میں حاضر ہونے کو حرام سمجھتے تھے،وہ کسی بھی وقت علمی مطالعات سے نہیں تھکتے تھے۔وہ اکثر کہتے تھے:''میں کبھی بھی علمی مطالعات سے نہیں تھکتا بلکہ جب دوسرے کاموں سے تھک جاتا ہوں تو علمی مطالعات سے اپنی تھکاوٹ دور کرتا ہوں''۔

علمی خصوصیات:

اُن کا درس منفرد خصوصیات رکھتا تھا جس کی وجہ سے بہت سے علماء بہت اشتیاق کے ساتھ اُن کے فقہ واصول کے درس خارج میں شریک ہوتے تھے۔آیت اللہ مطہری شہید کہ جو خود اُن کے نامور شاگردوں میں سے تھے، لکھتے ہیں:

''آیت اللہ بروجردیؒ درس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے حتیٰ اپنی رحلت سے ایک ہفتہ پہلے تک اُنھوں نے

اپنا درس جاری کئے رکھا تھا''۔اُن کے ایک اور شاگرد آیت اللہ سید جواد علوی بروجردی لکھتے ہیں:''آیت اللہ بروجردیؒ کبھی بھی شاگرد کی بے توجہی اور دقت نظر کی کمی یا تعداد کی کمی کی وجہ سے اپنے درس کی سطح کو پست نہیں کرتے تھے، وہ اس طرح درس دیتے تھے کہ گویا اُن کے سامنے سب سید مرتضٰی، شیخ مفیدؒ اور شیخ طوسیؒ جیسے لوگ بیٹھے ہیں''۔

اُن کے درس میں علمی جدت کے حوالے سے شیخ مجتبیٰ عراقیؒ لکھتے ہیں: آیت اللہ بروجردیؒ کے معنوی وملکوتی حالات کے علاوہ اُن کی تدریس اور استنباط میں ایک علمی جدت پائی جاتی تھی جو طالب علم کو اپنی طرف جذب کرتی تھی، وہ ہر علمی فرع کو اُس کے مبداء کی طرف لوٹا دیتے تھے جو بہت ہی جاذب چیز تھی''۔

اصولی اسلوب:

آیت اللہ بروجردیؒ کی علم اصول میں روش تدریس بہت سادہ اور مختصر تھی وہ غیر ضروری مباحث سے اجتناب کرتے تھے لہٰذا وہ ہر اُصولی بحث کے شروع میں اصلی مسئلہ پیش کرتے تھے، پھر اس کے بارے میں مفصل علمی بحث کرتے۔

فقہی اسلوب:

وہ علمائے سلف مثلاً شیخ مفیدؒ، سید مرتضٰیؒ، شیخ طوسیؒ، شیخ طبرسیؒ اور علامہ بحر العلومؒ کی مانند اسلامی علوم میں جامعیت کے حامل تھے۔فقہ میں وہ استنباطی طریقہ استعمال کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ فقہ میں قدماء (خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ) کے اقوال میں تتبع اور جستجو کو ضروری سمجھتے تھے۔بطور کلی فقہ میں آیت اللہ بروجردیؒ کا طریقہ چند بنیادی نکات پر استوار تھا:

الف: قدماء کے فتاویٰ سے آگاہی کی اہمیت

وہ فقہ کی تدریس میں بہت زیادہ جدت پسند تھے، وہ شیعہ قدماء کی فقہی آراء اور شہرت فتوائی کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔جن مسائل کے بارے میں بحث شروع کرتے تو پہلے اہل سنت علماء کے اقوال کی طرف توجہ کرتے پھر شیعہ علماء کے اقوال کو (بغیر کسی واسطے کے) اُن کی کتابوں سے نقل کرتے اور اُن پر بحث کرتے تھے۔

وہ فقہی مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے: ایک مسائل متلقّات اور دوسرے مسائل مشروحہ، یعنی: وہ جو کچھ بعد میں فقہا نے شرح وتفصیل بیان کی ہے۔یہ تقسیم، فقہ منصوص اور فقہ تفریعی کے علاوہ ہے۔

ب: فقہائے امامیہ کے لئے فقہائے اہل سنت کے فتاویٰ سے آگاہی کی اہمیت

اُن کے خیال میں ائمہ طاہرین ÷ کے ہم عصر علمائے اہل سنت کے رائج فتاویٰ اور روایات کی طرف رجوع کرنے سے ائمہ معصومین ÷ کے اقوال اور روایات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔وہ فرماتے تھے:''شیعہ فقہ، فقہ اہل سنت کے حاشیے میں واقع ہے''۔کیونکہ اس زمانے میں سیاسی وجوہات کی بنا پر مسلمان جن فتاویٰ پر عمل کرتے تھے، وہ اہل سنت ہی کے فتاویٰ تھے، لہٰذا ائمہ طاہرین ÷ کے اصحاب اور راوی، اہل سنت کے فتاویٰ کو دیکھ کر ائمہ

طاہرین ؑ سے سوال کرتے تھے اور ائمہ طاہرین ؑ بھی اُنہی کو مدنظر رکھ کر جواب دیتے تھے۔

ج: روایات پر تکیہ اور اُنہیں درس میں بیان کرنے کا طریقہ

آیت اللہ بروجردیؒ اُصول عملیہ سے بہت کم تمسک کرتے تھے، لیکن روایات میں جستجو اور اُن سے استفادہ کرنے میں بہت زیادہ دقت نظر اور غور وفکر سے کام لیتے تھے، وہ درایۃ الحدیث کے فن اور حدیث کے راویوں اور رجال کی شناخت میں عجیب وغریب تحقیقات اور مہارت وتسلط رکھتے تھے۔

د: اختلافی مسائل کی تہہ تک پہنچنا

وہ شیعہ وسنی کے درمیان اہم اختلافی مسائل کی تحقیق اور اُن کی تاریخ کے بارے میں بہت زیادہ جستجو کرتے تھے اور اختلاف کی جڑوں کو بڑے ہی معقول انداز میں اور ہر قسم کے مذہبی تعصب سے دور ہو کر بیان کرتے تھے۔

مکتب رجال:

آیت اللہ العظمیٰ بروجردیؒ علم رجال میں بھی بے نظیر حیثیت رکھتے تھے، اس علم میں وہ ایک منفرد اور جدت پر مبنی روش کے مالک تھے۔ وہ کتاب کافی، تہذیب، استبصار وغیرہ کی احادیث کی سندوں کو اُن کے متون سے جدا کر کے اُن کا بہت دقیق مطالعہ کرتے تھے جس سے محققین کو بہت اہم نکات ملتے تھے۔

آیت اللہ بروجردی کی تالیفات:

آیت اللہ بروجردیؒ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق وتالیف کا کام بھی جاری رکھے ہوئے تھے اور اپنی تحقیقات کو سپرد قلم بھی کرتے تھے۔ اُن کی چند علمی کتابوں کے نام یہ ہیں:

الف: عربی کتب

۱۔ ترتیب اسانید من لایحضرہ الفقیہ۔
۲۔ ترتیب رجال اسانید من لایحضرہ الفقیہ
۳۔ ترتیب اسانید امالی الصدوق۔
۴۔ ترتیب اسانید الخصال۔
۵۔ ترتیب اسانید علل الشرایع۔
۶ ترتیب اسانید تہذیب الاحکام۔
۷۔ ترتیب رجال اسانید التہذیب۔
۸۔ ترتیب اسانید ثواب الاعمال وعقاب الاعمال۔
۹۔ ترتیب اسانید عدۃ کتب۔
۱۰ ترتیب رجال الطّوسی۔
۱۱۔ ترتیب اسانید رجال الکشی۔
۱۲۔ ترتیب اسانید رجال النجاشی۔
۱۳۔ ترتیب رجال الفہرستین۔
۱۴۔ بیوت الشیعۃ۔
۱۵۔ حاشیۃ علی رجال النجاشی۔
۱۶۔ حاشیۃ علی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (از ابن عنبہ)
۱۷۔ حاشیۃ علی منہج المقال۔
۱۸۔ ترتیب فہرست منتجب الدین
۱۹۔ طبقات الرواۃ۔
۲۰۔ رسالۃ فی ترجمۃ بعض اعاظم اسرتہ واجدادہ۔

۲۱۔حاشیۃ علی رجال الشیخ طوسی.
۲۲۔رسالۃ حول سند الصحیفۃ السجادیۃ.
۲۳۔حاشیۃ علی فرائد الاصول للشیخ انصاری
۲۴۔حاشیۃ علی کفایۃ الاصول.
۲۵۔الاحادیث المقلوبۃ وجواباتہا.
۲۶۔حاشیۃ علی وسائل الشیعۃ.
۲۷۔جامع احادیث الشیعۃ (۳۱ جلد)
۲۸۔حاشیۃ علی مبسوط الشیخ الطّوسی.
۲۹۔حاشیۃ علی خلاف الشیخ الطّوسی
۳۰۔حاشیۃ علی عروۃ الوثقی.
۳۱۔الفقہ الاستدلالی
۳۲۔رسالۃ فی المواسعۃ والمضایقۃ
۳۳۔رسالۃ فی منجزات المریض
۳۴۔رسالۃ فی المہور
۳۵۔حاشیۃ علی نہایۃ الشیخ الطّوسی
۳۶۔رسالۃ فی المنطق
۳۷۔تعلیقۃ علی الاسفار لملاصدرا الشیرازی
۳۸۔حاشیۃ علی منہج الرشاد
۳۹۔المہدی، علیہ السلام، فی کتب اہل السنۃ
۴۰۔الاثار المنظومۃ
۴۱۔حاشیۃ علی مجمع المسائل
۴۲۔حاشیۃ علی وسیلۃ النجاۃ
۴۳۔الاعتقادات
۴۴۔حاشیۃ علی منتخب الرسائل
۴۵۔صراط النجاۃ
۴۶۔مجمع الفروع
۴۷۔حاشیۃ علی تبصرۃ المتعلمین
۴۸۔انیس المقلدین

ب: کتب فارسی

۱۔توضیح المناسک　۲۔توضیح المسائل　۳۔مناسک حج

آیت اللہ بروجردیؒ کی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب ''جامع احادیث الشیعہ'' ہے کہ جس کا تفصیلی تعارف آئندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

اسلامی مذاہب میں اتحاد کی کوششیں:

جب عالمی سامراجی طاقتیں اسلامی ممالک کی لوٹ مار کی خاطر اُمت اسلام میں اختلافات پیدا کرنے کی کوششیں کررہی تھیں اور تمام اسلامی ممالک میں بھائی کو بھائی سے لڑانے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے جارہے تھے اس وقت تمام مسلمان مصلحین کی طرح آیت اللہ بروجردیؒ بھی مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کے رہبر ومرجع کی حیثیت سے پورے عالم اسلام کے اتحاد کی آرزو رکھتے تھے۔اس مقصد کے لئے اُنھوں نے اہل سنت کے دینی اور علمی مراکز کے ساتھ روابط حسنہ قائم کرنے کی بے مثال کوششیں کیں اور مصر میں جامعۃ الازہر کے علماء کے ساتھ ملکر وحدت مسلمین کے خواب کو عملی جامہ پہنایا۔اس سلسلے میں ''دارالتقریب بین المذاہب الاسلامیہ'' کی بنیاد ایک اہم ترین قدم تھا۔

آیت اللہ بروجردیؒ نے اہل سنت بزرگان اور جامعہ ازہر کے بزرگ اساتذہ مثلاً شیخ محمود شلتوت، شیخ عبد

المجید سلیم اور محمد عبدہ کے ساتھ مل کر تفرقے اور اختلاف کی فضا کو ختم کرنے کی سعی کی، اُن کا عقیدہ تھا کہ قرآن، سنت رسولؐ، سیرت اہل بیت اطہارؑ اور علمائے سلف کے طور طریقوں میں بہت سے ایسے موارد مل سکتے ہیں کہ جن سے اسلامی مذاہب کے درمیان قربت ایجاد کرنے اور تفرقہ سے بچنے میں مدد مل سکتی ہے۔

وفات:

آیت اللہ بروجردیؒ آخر کار سالہا سال تک دنیائے علم وفقاہت کے لئے گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳ شوال ۱۳۸۰ھ کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ اُن کی وفات سے نہ صرف دنیائے تشیع میں ایک بڑا خلا ایجاد ہو گیا تھا بلکہ عالم اسلام کے تمام حقیقت پسند علماء اور شخصیات نے اس شیعہ مرجع تقلید کے غم میں شرکت کی اور اُن کی وفات کو عالم اسلام کے لئے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

"جامع احادیث الشیعہ"

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ کتاب آیت اللہ بروجردیؒ کی فکری اور علمی کاوش کا نتیجہ ہے جو اُن کے شاگردوں پر مشتمل ایک علمی ٹیم کے ذریعے تدوین ہوئی ہے جس میں اُنھوں نے اپنے اُستاد کی رہنمائی اور نظارت میں فقہی احکام پر مبنی احادیث ایک خاص روش کے تحت جمع کی ہیں۔

یہ اہم کتاب فقہی احادیث کا آخری اور مفصل ترین مجموعہ ہے کہ جس میں شرعی احکام سے متعلق قرآنی آیات اور اہل بیت اطہار ؑ کی روایات کو منظم اور مرتب کیا گیا ہے۔

آیت اللہ بروجردیؒ شیخ حر عاملیؒ کی کتاب "وسائل الشیعہ" کے بارے میں اکثر کہتے تھے: "مرحوم صاحب الوسائل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کی تدوین وتالیف میں ایک عمر صرف کی ہے اور بہت زیادہ مشکلات وسختیاں برداشت کی ہیں اور اس فن میں ایک بہترین کتاب تیار کی ہے اور اُن کا ہمارے اوپر بہت بڑا احسان ہے، لیکن اس کے باوجود اُن کی یہ کتاب اب بھی تنقیح، تھذیب اور تکمیل کی محتاج ہے اور اس پر مزید کام کی ضرورت ہے کیونکہ اُن کی کتاب، حدیث کی کتاب سے زیادہ فقہی کتاب نظر آتی ہے چونکہ اُنھوں نے ہر فقہی فرع پر دلالت کرنے والی روایات جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ایک مکمل احادیث کی کتاب منظم ومرتب کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ لہذا طبعاً اُنھوں نے ایک جگہ جمع کی جانے والی احادیث کو جُدا کر ڈالا ہے۔ اور جو احادیث جداجدا لکھی جانی چاہیں تھیں، اُنہیں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اور بہت سے موقعوں پر اُنھوں نے احادیث کو کسی ایک مشائخ سے نقل کیا ہے، لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا ہے کہ کلینی یا صدوق یا شیخ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے حالانکہ اُن کے متون ایک دوسرے سے کچھ اسطرح مختلف ہیں کہ اُن کے معانی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے"۔

لہٰذا شیخ حر عاملیؒ کے کام کو تکمیل اور اس میں منطقی ترتیب پیدا کرنے کے علاوہ اس کی تھذیب کرنے کی غرض سے آیت اللہ بروجردیؒ نے اپنے شاگردوں پر مشتمل علماء اور دانشوروں کے ایک گروہ کو دعوت دی اور اُن کے سامنے احادیث کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس قسم کا ایک مجموعہ حدیث

مرتب کریں۔اُن کے شاگرد علمائے دین نے اپنے اُستاد کی آواز پر لبیک کہا اور اس عظیم علمی کام کا آغاز کر دیا۔

علمی گروہ کے اراکین:

اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لئے آیت اللہ بروجردیؒ نے اپنے شاگردوں میں سے جن علمی شخصیات کو منتخب کیا تھا اُن میں بعض آج بھی حوزہ علمیہ قم کے نامور علماء اور مراجع میں شمار ہوتی ہیں جن میں سے چند نمایاں نام یہ ہیں:

شیخ اسماعیل معزی ملایری، شیخ حسین علی منتظری نجف آبادیؒ، شیخ عبدالرحیم ربانیؒ شیرازی، شیخ محسن حرم پناہی قمیؒ سید حسین کرمانی، سید مصطفیٰ کاشفی خوانساری، شیخ عبدالرحیم بروجردی، شیخ علی پناہ اشتہاردیؒ، شیخ جلال طاہر شمس گلپایگانی، شیخ حسین نوری ہمدانی، شیخ ابراہیم امینی نجف آبادی، شیخ علی ثابتی ہمدانی، شیخ محمد واعظ زادہ خراسانی، شیخ محمد باقر ابطحی اصفہانی، سید محمد علی ابطحی اصفہانی، شیخ محمد تقی ستودہ اراکیؒ، شیخ حسن نائینیؒ، سید محمد حسین درچہ ایؒ، شیخ جواد خندق آبادی تہرانیؒ۔

''جامع احادیث الشیعہ'' کی تدوین اور تالیف کے سلسلے میں اس گروہ میں سب زیادہ فعال شخصیت شیخ اسماعیل معزی ملایری کی تھی کہ جنہوں نے دن رات کی محنت سے اپنے اُستاد کے اس علمی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

اسلوب تدوین:

اس کتاب کی پہلی جلد کے مقدمے میں اس کتاب میں احادیث کی تدوین کے طریقہ کار کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ہر باب کے شروع میں اُسی باب سے متعلق آیات کو سوروں کی ترتیب کے لحاظ سے احادیث سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ کتاب ''مصباح الشریعۃ سے نقل شدہ مطالب اور فقہی احکام سے غیر مربوط مطالب کے علاوہ ''وسائل الشیعہ'' اور ''مستدرک الوسائل'' کی تمام احادیث لائی گئی ہیں، البتہ دوسری احادیث کہ جو اس کام کے ضمن میں مئولفین کو ملی ہیں، جو ان دونوں کتابوں میں نہیں تھیں، بھی نقل کر دی گئی ہیں۔

۳۔ جہاں کہیں کتاب وسائل الشیعہ اور مستدرک الوسائل کے اصلی منابع تک دسترس حاصل ہوئی ہے تو حدیث کو اسی اصلی منبع سے لیا گیا ہے ورنہ انہی دونوں کتابوں سے نقل کر دیا گیا ہے۔

۴۔ کتاب کے شروع میں روایات کے مآخذ کو صفحہ کے تعین اور تاریخ طبع کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۵۔ احادیث کو بعینہ الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور متن وسند میں کسی قسم کی تلخیص وتبدیلی نہیں کی گئی۔

۶۔ جس کتاب سے بھی کوئی حدیث نقل ہوئی ہے اس کا پورا نام ذکر کیا گیا ہے سوائے کتب اربعہ اور وسائل و مستدرک کے، جن کو علامات اور رموز کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان سے بہت زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں۔

۷۔ چند کتابوں میں آنے والی یا ایک ہی کتاب میں دو جگہ پر نقل ہونے والی حدیث کا تکرار نہیں کیا گیا۔

۸۔مختلف ابواب میں کسی حدیث کی تقطیع نہیں کی گئی سوائے اُن احادیث کے کہ جو بہت طولانی تھیں اور جن میں متعدد مسائل ذکر ہوئے ہیں۔

۹۔اس حدیث کو تکرار نہیں کیا گیا کہ جس میں دو یا اس سے زیادہ حکم ذکر ہوئے ہیں بلکہ اُسے مناسب ترین باب میں ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے مناسب ابواب میں فقط اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۱۰۔ہر باب میں احادیث ذکر کرنے کے بعد دوسری وہ روایات کہ جو تمام ابواب میں ذکر ہوئی ہیں، اور اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں، اُن کی طرف فقط اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۱۔ہر باب کی احادیث کے درمیان ارتباط کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ممکنہ صورت میں اُنہیں ذکر کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔احادیث ذکر کرنے میں خاص ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے مثلاً فتویٰ سے متعلق حدیث کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور بعد میں اس کی معارض حدیث لائی گئی ہے یا پہلے عام اور پھر خاص، اسی طرح پہلے مطلق اور پھر مقید کو لایا گیا ہے۔

۱۳۔اسی طرح اُن تمام وجوہات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ جنہیں شیخ طوسیؒ نے متعارض روایات کے درمیان جمع کرنے کے لئے بیان کیا ہے اور بعض نادر روایات کو ان پر حمل کیا ہے۔

۱۴۔اتفاقاً اگر اسناد یا متن حدیث میں کوئی خلل واقع ہو گیا ہے تو اس کی اصلاح کر دی گئی ہے، اسی طرح بعض لغات اور بعض مجمل احادیث کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

اس کتاب کی ابتداء میں ایک عالمانہ مقدمہ خود آیت اللہ بروجردیؒ کے قلم سے لکھا گیا ہے جو حدیث اور اس سے تمسک کے لازمی ہونے اور اہل بیت اطہار ÷ کی احادیث کی حجیت کے بارے میں بہت ہی قیمتی نکات پر مشتمل ہے۔آیت اللہ بروجردیؒ کی وفات کے بعد یہ مقدمہ اُن کے فرزند سید حسن بروجردی نے مکمل کیا ہے۔

جامع احادیث الشیعہ کی چند اہم خصوصیات:

جامع احادیث الشیعہ، شیعہ جوامع حدیث کے سلسلے کی آخری کتاب ہے لہٰذا اسے اُن تمام نواقص اور خامیوں سے پاک ہونا چاہیے جو اس سے پہلے والی کتب میں موجود تھیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آیت اللہ بروجردیؒ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ایک ایسی کتاب تدوین کی جائے جس میں گذشتہ کتابوں کی خامیاں نہ ہوں۔اس لحاظ سے اس کتاب کی خصوصیات یقیناً گذشتہ کتب حدیث کی نسبت زیادہ ہوں گی۔اس لئے بعض محققین نے اس کی جو خصوصیات بیان کی ہیں اُنہیں یہاں بطور خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔آیات الاحکام:

قرآن؛ تربیت و ہدایت کی کتاب ہے اور ہر قسم کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفوس کا سرچشمہ یہی کتاب الٰہی ہے۔ لہٰذا قرآن رسول خدا ﷺ اور ائمہ معصومین ÷ کے علوم کی بنیاد ہے۔وہ ہستیاں جو کچھ بھی کہتی تھیں، قرآن ہی سے کہتی تھیں، پس ایک فقیہ اور مجتہد کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ احکام الٰہی کے استنباط میں قرآن کو سرفہرست رکھے اور اس کے بعد دوسرے منابع سے استفادہ کرے۔آیت اللہ بروجردیؒ کے اجتہاد کی ایک

خصوصیت یہی تھی وہ فقہی احکام کے استنباط میں قرآن کو سرفہرست رکھتے تھے اور اسی وجہ سے کتاب ''وسائل الشیعہ'' میں آیات الاحکام سے غفلت کو اس کتاب کی سب سے بڑی خامی سمجھتے تھے۔اس لئے کتاب ''جامع احادیث الشیعہ'' میں اُن کی روش یہ ہے کہ اگر کوئی آیت، موضوع سے متعلق ہو تو اس کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور سور و آیات کی ترتیب کے مطابق اُنہیں ترتیب کے ساتھ لاتے ہیں۔آیات الاحکام کے سرفہرست ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی طرف رجوع کرنے والا فقیہ، کسی بھی مسئلے میں قرآن سے غافل نہیں رہتا۔

۲۔جامعیت:

''جامع احادیث الشیعہ'' کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی جامعیت ہے۔جیسا کہ آیت اللہ بروجردیؒ اور اُن کی زیرنظارت کام کرنے والے علمی گروہ کی کوشش بھی یہی تھی کہ فقیہ کو دوسری تمام کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز کر دیا جائے اور فقیہ کے ہاتھ میں جب یہ کتاب ہو تو اُسے دوسری کتابوں میں سر کھپانے کی ضرورت پیش نہ آئے اور وہ اپنے وقت سے زیادہ استفادہ کر سکے۔

۳۔''جامع احادیث الشیعہ'' کے مصادر کی وسعت:

اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں دو اصلی مصادر یعنی؛''وسائل الشیعہ'' اور ''مستدرک وسائل'' کی تمام روایات کے علاوہ دوسرے بہت سے فقہی و روائی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔البتہ ان دونوں مصادر (یعنی؛ وسائل اور مستدرک) کی بعض روایات فقہی نہیں تھیں اس لئے اُنہیں اس میں حذف کر دیا گیا ہے، لہٰذا کتاب ''مصباح الشریعہ'' سے منقول تمام احادیث کو حذف کر دیا گیا ہے۔کیونکہ یہ کتاب حضرت امام جعفر صادق - سے منقول اخلاقی روایات کا مجموعہ ہے اور اس میں کوئی فقہی حدیث نہیں ملتی۔

''جامع احادیث الشیعہ'' کے گروہ تالیف نے ان دونوں کتابوں (یعنی؛ وسائل اور مستدرک) کی روایات کے علاوہ ہر فقہی روایت کہ جو دوسرے کسی منابع میں نظر آئی ہے، اسے اپنی اس کتاب میں درج کر دیا ہے۔لہذا وسائل اور مستدرک کے علاوہ جن مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

''تہذیب، استبصار، کافی، عدۃ الاصول، مصباح المتہجد، الغیبۃ، الخلاف، امالی شیخ طوسی، امالی فرزند شیخ طوسی، من لایحضرہ الفقیہ، الخصال، علل الشرایع، امالی صدوق، معانی الاخبار، عیون الاخبار، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، المقنع، التوحید، کمال الدین، فضائل الاشہر الثلاثہ، فضائل الشیعہ، صفات الشیعہ، امالی شیخ مفید، الاختصاص الارشاد، المقنعہ، المحاسن برقی، قرب الاسناد حمیری، مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب، عدۃ الداعی ابن فہد حلی، بشارۃ المصطفیٰ طبری، السرائر ابن ادریس، مجمع البیان طبرسی ماعلام الوریٰ طبرسی، مکارم الاخلاق حسن بن فضل طبری، الاحتجاج طبرسی، نہج البلاغہ، صحیفہ سجادیہ، فقہ الرضاؑ، دعائم الاسلام قاضی، تحف العقول حرانی، تنبیہ الخواطر ورام، کنز الفوائد کراجکی، الغیبۃ نعمانی، ارشاد القلوب دیلمی، بصائر الدرجات صفار، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ اربلی، بحار الانوار، الخرائج والجرائح راوندی، استغاثہ ابو القاسم کوفی، الطرف واقبال وملھوف ابن طاؤس، التوحید مفضل،

جامع الاخبار، مدینۃ المعاجز بحرانی، منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید شہید ثانی، عبقات الانوار حامد نیشا بوری، مسکن الفواد شہید ثانی، کامل الزیارۃ ابن قولویہ، تفسیر قرآن امام حسن عسکری ؑ، تفسیر قرآن فرات کوفی، تفسیر عیاشی، تفسیر قرآن قمی، رجال نجاشی عوالی اللئالی ابن ابی جمہور، تذکرۃ الفقہاء اور المختلف والمنتہی؛ حلی کے علاوہ بیسیوں دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔اُصولی روایات:

اہل تحقیق کے لئے اس کتاب کی ایک بڑی خدمت کہ جواس کی ایک اہم خصوصیت شمار ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کتاب کی جلد اول میں ''اُصول فقہ'' سے متعلق روایات کو اصولی مباحث کی ترتیب کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے جو ایک بے مثال کام ہے چونکہ اس طرح ایک فقہی محقق اور مجتہد کے لئے اصول فقہ سے متعلق روایات کا ایک بڑا ذخیرہ ایک جگہ پر اکٹھا جمع ہو گیا ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔مثلاً؛''حجیت خبر واحد'' کے باب میں پہلے اس موضوع سے متعلق تمام آیات کو ذکر کر دیا گیا ہے اور پھر ۱۲۶ روایات کا اضافہ کیا گیا ہے۔پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس موضوع سے متعلق روایات کی ایک بڑی تعداد ذکر کرنے کے بعد ابواب کا حوالہ اور جو احادیث دوسرے ابواب میں آئی ہیں اور کسی نہ کسی حوالے سے خبر واحد کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں، اُن کا بھی ان میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ عظیم کام حدیث کی کسی دوسری کتاب میں انجام نہیں پایا لہٰذا پہلے فقیہ کو خود اُصولی موضوع کی ایک ایک روایت تلاش کرنی پڑتی تھی۔لیکن ''جامع احادیث الشیعہ'' میں یہ کام انجام پانے سے محققین اور فقہا کے لئے بہت سہولت ہوگئی ہے اور یہ چیز فقہی احکام سے متعلق اس کتاب پر اصولی فکر کے حاکم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔اسی طرح اس کام کی وجہ سے ابواب حدیث کی باب بندی میں اخباری اور اصولی تفکر میں فرق کی عکاسی ہوتی ہے۔اس سلسلے میں چند ابواب کو ملاحظہ فرمائیے: باب فرض طلب علم وحجت، باب حجیت ظواہر کتاب، باب حجیت سنت رسول خداؐ، باب حجیت کلام ائمہ ؑ، باب حجیت ثقات، باب مایعالج بہ تعارض الروایات، باب عدم حجیت قیاس ورای واجتہاد، باب برائت واحتیاط، باب استصحاب، باب احادیث من بلغ، باب اشتراط عقل در بلوغ۔

۵۔آداب واخلاق سے متعلق احادیث کو الگ کرنا:

آداب وسنن سے متعلق احادیث دوطرح کی ہیں: یا تو واجب عمل سے تعلق رکھتی ہیں، مثلاً نماز میں کچھ واجبات کے ساتھ ساتھ ایک وسیع تعداد مستحب اعمال کی بھی ہے۔اس قسم کے آداب اور سنن کو خود واجب اعمال کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے جیسا کہ نماز سے متعلق مستحب اعمال مثلاً نماز کی مختلف حالتوں میں ہاتھوں کا بلند کرنا، سجدے کو طولانی کرنا وغیرہ۔

یا کچھ آداب مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور کسی واجب عمل کے ساتھ انجام نہیں پاتے۔مثلاً؛ نورہ لگانے سے متعلق آداب، حجامت کے آداب، آرائش وزیبائی کے آداب، جوتا اور لباس پہننے کے آداب وغیرہ۔اس قسم کے آداب واخلاق ایک مخصوص اور جدا کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں تاکہ فقیہ کو اُن تک دسترس میں آسانی ہو،

لیکن کتاب ''وسائل الشیعہ'' ایسے آداب وسنن سے بھری پڑی ہے کہ جو بغیر کسی مناسبت کے مختلف ابواب میں پراگندہ صورت میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔ مثلاً کتاب طہارت میں برتنوں کی طہارت کی مناسبت سے چند ابواب برتنوں کی اقسام، کھانے پینے کے استحباب وکراہت کے بارے میں بھی ذکر دیئے گئے ہیں اور کتاب صلوۃ میں نمازی کے لباس کی مناسبت سے بہت سے ابواب لباس کی جنس اور رنگ کے بارے میں آگئے ہیں جن کا تعلق فقہی احکام سے بہت کم ہے۔ اسی طرح باب حج میں معاشرت اور سفر کے آداب اور اجتماعی آداب بھی ذکر کردیئے ہیں اور پھر باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت سی اخلاقی حدیثیں بھی ذکر ہوگئی ہیں۔ اس سلسلے میں آیت اللہ بروجردیؒ فرماتے تھے:

اس قسم کے مطالب اپنی اہمیت کے باوجود بہت سے مقامات پر فقہ کی حدود سے باہر ہیں اور فقیہ کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان کا کسی حدیث کی کتاب میں فقہ کے اصلی موضوعات کے درمیان موجود ہونا طلاب اور رجوع کرنے والوں کی تشویش اور اتلاف وقت کا باعث بنتا ہے۔

بزرگ علماء کی آراء:

اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں تقریباً تمام علماء اور مراجع تقلید نے اظہار نظر فرمایا ہے جس سے اس کتاب کی دنیائے علم وفقاہت میں اہمیت ظاہر ہوتی ہے، چند نمایاں علمی شخصیات کے ''جامع احادیث الشیعہ'' کے بارے میں تاثرات یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

۱۔ آیت اللہ سید ہادی میلانیؒ:

آیت اللہ العظمیٰ سید ہادی میلانیؒ اس کتاب کی جامعیت کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کتاب کی جامعیت کی وجہ سے ہر روز اُن کے تحقیق اور مطالعے کے وقت میں ۵ گھنٹے کی بچت ہوتی ہے یعنی؛ اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو اُنہیں اپنے دروس کی تیاری کے لئے مزید ۵ گھنٹے صرف کرنے پڑتے۔

۲۔ آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئیؒ:

آیت اللہ بروجردیؒ کی وفات کے بعد آیت اللہ معزّی ملایری کی مسلسل کوشش سے ''جامع احادیث الشیعہ'' کی باقی جلدیں بھی تدریجاً چھپتی گئیں۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ نے بہت کھلے دل کے ساتھ اس کام کی تائید کی اور اس کی اشاعت کے لئے اخراجات برداشت کئے اُنھوں نے اس کتاب پر ایک خصوصی تقریظ بھی لکھی ہے کہ جو ''جامع احادیث الشیعہ'' کی جلدوں کی زینت بنی ہے، اُنھوں اس میں جن تاثرات کا اظہار فرمایا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله ربّ العالمين و الصلاة و السلام على خيرة من خلقه محمد و آله الطيبين الطاهرين و اللعنة الدائمه على اعدائهم اجمعين ۔

امابعد؛ کتاب ''جامع احادیث الشیعہ'' کہ جو حضرت آیت اللہ العظمٰی، بزرگ طائفہ شیعہ حاج سید حسین طباطبائی بروجردی (قدس سرہ) کے حکم سے تالیف ہوئی ہے، اپنی نوع میں یگانہ اور روش تدوین میں خوبصورت ترین کتاب ہے۔ اُنھوں نے اس باقی رہنے والے دینی کام کو کھلے دل اور بلند ہمتی کے ساتھ قبول کیا، اللہ تعالیٰ اُنہیں غریق رحمت کرے اور اُن کے درجات میں اضافہ فرمائے اور اُنہیں نیک لوگوں کی بہترین جزا سے نوازے

اسی طرح میں اللہ تعالیٰ سے اُن علماء کے لئے بھی اجر عظیم اور توفیق طلب کرتا ہوں کہ جو اُن کی نظارت میں اس گرانقدر دینی کتاب کی تالیف میں شریک ہوئے ہیں اور اس کتاب کو وجود میں لانے کے لئے بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ منجملہ جس شخصیت نے اس کتاب کا تکمیل کرنے میں بہت زیادہ سعی اور کوشش کی ہے، وہ علامہ محقق حجت الاسلام حاج شیخ اسماعیل معزی ملایری (دامت برکاتہ) ہیں۔ بلاشک اُنھوں نے اس کتاب کی تدوین میں انتھک محنت کی ہے اور پھر اسے مکمل ترین اسلوب اور بہترین انداز میں (اشاعت کے لئے) آمادہ کرلیا ہے۔۔۔''

کیونکہ یہ کتاب میرے لئے بہت پسندیدہ تھی اور میں نے اس کا اہتمام کیا ہے لہٰذا میں نے اس کی تمام جلدوں کو شائع کرنے کے لئے اخراجات کو قبول کیا ہے۔ تاکہ دین اور مذہب کو برپا کرنے میں کوئی خدمت کرسکوں۔ الحمدللہ باقی جلدوں کو شائع کرنے کی آرزو کے ساتھ اس کام کے لئے خدا کی حمد وستائش کرتا ہوں۔ خدا سے بقیہ جلدوں کو شائع کرنے کی اور اس دینی کام کو پورا کرنے کی توفیق طلب کرتا ہوں چونکہ وہی صاحب توفیق وسعادت ہے۔ اس کے شروع اور اتمام پر اللہ کی حمد۔

خوئی　　۱۲ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ

کتاب کی اشاعت

جامع احادیث الشیعہ کی جدید اشاعت ۳۱ جلدوں میں ہوئی ہے، آیت اللہ بروجردیؒ کی زندگی میں اس کی فقط پہلی جلد چھپی تھی جس پر اُن کا مقدمہ بھی تھا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے شاگرد آیت اللہ اسماعیل معزّی ملایری نے اس کام میں خصوصی دلچسپی لی اور جن کی مسلسل کوشش سے اس کی باقی جلدیں بھی چھپنے کے لئے تیار ہوگئی تھیں جو آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئیؒ کے خصوصی تعاون سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں۔

.....

منابع

(اس مقالے کی تیاری میں ان منابع اسے استفادہ کیا گیا ہے)
۱۔ دایرۃ المعارف تشیع، ج ۵، نشر شہید شعید محبی، چاپ اول ۱۳۷۵ش، تہران
۲۔ مجلّہ حوزہ، شمارہ ۴۳، ۴۴، دفتر تبلیغات اسلامی، قم
۳۔ سایٹ: www.brougerdi.ir
۴۔ سایٹ: www.hawzanews.ir
۵۔ علم حدیث، زین العابدین قربانی، انتشارات انصاریان، قم
۶۔ جامع احادیث الشیعہ، جلد اول، مقدمہ، السید بروجردیؒ ۱۳۹۹ھ، المطبعۃ العلمیۃ، قم

برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف وتراجم (۱)

☆ سید حسین عارف نقوی

اسی عنوان کے تحت ان سطور کے راقم کی دو جلدیں جن میں تصانیف وتراجم کی تعداد (۳۷۰۸+۵۰۰۷) تھی جنہیں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا ہے۔ مابعد سہ ماہی ''ثقلین'' اسلام آباد میں بقایا کتب کی دو اقساط بھی شائع ہوئیں تھی دیکھئے ''ثقلین'' (۱) اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء (۲) جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء اس مقالے میں آپ بعض مقامات پر ستارہ (☆) کے نشانات پائیں گے جس کا مطلب ہے آنے والی اس کتاب اس کتاب کا ترجمہ ہے جو کسی اور زبان میں لکھی گئی تھی اس مقالے میں ۹۵ کتب کا تعارف کرایا گیا ہے امید ہے ان شاء اللہ یہ مقالہ قارئین کے ازدیاد معلومات کا سبب ہوگا۔

☆ الامام الثانی عشر (عربی) : مولانا سید محمد سعید موسوی عبقاتی

۱۔ آخری تاجدار امامت۔امام مہدی = : مولانا سید مرتضی حسین صدرالافاضل (م ۱۹۸۷ء)
تحقیق: ڈاکٹر سید مزمل حسین نقوی
عنوانات: عقیدہ مہدی اور علامہ شبیر احمد عثمانی، شیعوں سے منسوب کئے جانے والے غیر معتبر خیالات ائمہ کے اسمائے گرامی سے متعلق اکابر اہل سنت کی روایات، امام کی مستقل غیبت کا کیا جواز ہے؟
کراچی: زہرا (س) اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء/۱۴۲۸، ۱۴۴ص

۲۔ آستان رومی واقبال : غلام حسین دینیوری
عنوانات: تاریخ تصوف، تصوف کے خاص عناوین، جلال دین محمد بلخی سے مولانا رومی تک رومی کی وجہ تسمیہ، منزل عشق اور مثنوی، اقبال اور سعدی شیرازی، اقبال اور حافظ شیرازی
ڈاکٹر علی شریعتی اور اقبال، اقبال اور امام مہدی =
گلگت: خیر الناس ویلفیر ٹرسٹ دنیور، ۲۰۱۰، ۳۲۳ص

☆ محقق، کتاب شناس، پرنسپل (ر) ایف جی ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن، اسلام آباد

۳۔ آل محمد فی القرآن　　: ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ائمہ اہل بیتؑ کی معرفت آیات قرآن کی روشنی میں، مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر کا خلاصہ باتفسیر اہل بیتؑ

کراچی: اکیڈمی آف قرآنک سٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ، ۱۴۵ص

۴۔ احساس غم　　: سید قائم مہدی نقوی ساحر

کتاب پانچ مرثیوں پر مشتمل ہے

کراچی: آثار وافکار اکادمی پاکستان، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ۳۸۸ص

نمونہ کلام: بھیاّ، سب آئے چھوٹ کے قید یزید سے　　کلثوم اور رباب ہوئیں یا کہ ہم ہوئے

لیکن تمہاری ایک امانت نہ لا سکے　　ہم چھوڑ آئے شام کے زندان میں اُسے

صدمے اُٹھا سکی نہ دلاری وہ باپ کی　　بھیاّ، سکینہ مر گئی فرقت میں آپ کی

☆ عیون اخبار الرضا -(عربی)　　: شیخ صدوق

۵۔ انتخاب عیون اخبار الرضا　　: ڈاکٹر محمد حسن رضوی

کراچی: اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ، ۲۲۵ص

۶۔ ادبیات کشمیر　　: علی جواد زیدی

عابد حیدری نے مرتب کی، یہ مجموعہ مقالات کشمیری، فارسی، ڈوگری اور اردو زبانوں کے ادب کا احاطہ کرتا ہے

عنوانات: کشمیری ادب کا تاریخی جائزہ، مقدمہ دیوان غنی کشمیری، ذکر غنی کشمیری، کشمیری سامنامہ، ڈوگری کہاوت کوش، رام ناتھ شاستری، رہنمائے ڈوگری

لکھنو: باغ گھاسی وزیر گنج، ۲۷۹ص، ۱۹۹۴ء

۷۔ ادیان کی پرکھ اور تجزیہ (۱)　　: سید محمد موسیٰ رضوی

ڈاکٹر علی شریعتی کے اس موضوع پر دئے ہوئے سات لیکچرز کا ترجمہ

ناشر: ادارہ ن والقلم، ۳۹۰ص

۸۔ اساس آدمیت اور قرآن　　: علامہ طالب جوہری

مجموعہ تقاریر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

کراچی: پاک محرم ایجوکیشن، ۲۰۰۴ء (اشاعت دوم)، ۱۸۴ص

۹۔ اسلامی تحریک۔قرآن وسنت کی روشنی میں　　: شیخ محمد حسن صلاح الدین
۷/ابواب
کراچی: دارالثقلین،۲۰۰۴ء،۲۲۹ص

۱۰۔ اسلامی تصور کائنات پر ایک تمہید　　:
آیۃ اللہ مطہری کی پانچ کتب (جو فارسی میں لکھی گئی) کا ترجمہ بعنوان
انسان اور ایمان، الٰہی تصور کائنات، وحی اور نبوت، انسان۔قرآن کی نظر میں، معاشرہ اور تاریخ، ابدی زندگی اور اُخروی زندگی
اسلام آباد: دفتر ثقافتی نمائندہ اسلامی جمہوریہ، ۱۹۹۷ء، ۴۳۷ص

۱۱۔ اسلامی علوم کا تعارف　　: سید محمد عسکری
آیت اللہ مرتضی مطہری فارسی میں لکھی گئیں کتب دربارہ منطق، فلسفہ، علم کلام، عرفان، اصول فقہ، علم فقہ کا ترجمہ، یہ کتابیں ایران کے تعلیمی نصاب میں شامل ہیں
عنوانات: قیاس اور اس کی قسمیں، فلسفہ عصر جدید، حادث وقدیم، عرفاء کی سالکانہ روش، کلامی فرقے اور مذاہب، معتزلہ کے افکار ونظریات، عرفان اور تصوف، عرفان کی مختصر تاریخ، فقہ کے مصادر اور اسکی تاریخ فقہ اور فقہا کی مختصر تاریخ، فقہ کے اہم ابواب اور مسائل
اسلام آباد: دفتر تحقیقات اسلامی پاکستان، ۲۰۰۱ء، ۴۱۱ص

۱۲۔ اسلامیات (اختیاری)۔مطالعہ قرآن وعربی　　: ڈاکٹر سجاد علی استوری
جامعہ کراچی اور اس سے متعلقہ کالجز کے جدید نصاب کے مطابق برائے بی اے/(بی ایس سی)
کراچی: زہراء (س) اکادمی، ۲۰۱۰ء، ۱۴۳۱ھ/۲۳۲ص

۱۳۔ اشرف اخبار (۱۳۸۵ھ) المعروف تاریخ سادات نوگانواں　　: سید انصار حسین ساجد عابدی فاضل مشرقیات
نوگانواں ضلع امروھا (یوپی) میں حضرت عمر بن اشرف بن امام زین العابدین کی اولاد آباد ہے، حضرت عمر اشرف کی والدہ کا نام حوراء تھا جو سندھ کی رہنے والی تھیں آپ حضرت زید شہید کے چھوٹے بھائی تھے نوگانواں کے عابدی سادات مولانا سید بدءالدین اسحاق دھلوی خلیفہ حضرت فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔کتاب کی ابتدا میں نوگانواں کی تاریخ اور وہاں کی تاریخ عزاداری کا ذکر آ گیا ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے حصے میں امام زین العابدین تا سید جلال الدین وسید فخر الدین دھلوی پسران سید محمد امام دھلوی کا تذکرہ ہے۔

دوسرے حصے میں ان کی اولاد کا شجرہ نسب۔

کتاب کے آخر میں دیگر سادات نوگانواں کا تذکرہ بھی موجود ہے حواشی کتاب میں اس خاندان کے مشاہر علماء شعراء کا تذکرہ اوران کی تصانیف کا بھی ذکر ہے بعض ایسے رجال دینی کا ذکر بھی آ گیا ہے جن کا کہیں اور ذکر نہیں صابر حسین نے گوا میں ایک عیسائی عورت سے شادی کر لی تھی مشتاق حسین بہائی ہو گئے تھے۔

دہلی: کوہ نور پرنٹنگ پریس، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء، (۳۲+۱۰۸)ص

☆ اصحاب رسول ﷺ (فارسی) : سید کمال

۱۴۔اصحاب رسول ﷺ : حجۃ الاسلام نثار احمد زین پوری

حضرت ابو طالب، جعفر طیار، حضرت حمزہ، مصعب خیر، ابوذر غفاری، مقداد، سلمان بن اسلام، عمار یاسر، مالک اشتر، حبیب بن مظاہر، میثم تمار، مختار ثقفی، سعید بن جبیر، کمیل بن زیاد

لاہور: منہاج الصالحین، فروری ۲۰۰۹ء، ۲۹۹ص

۱۵۔امام سجاد - کی درسگاہ دعا میں عشق، آگاہی، حاجت اور جہاد : سید محمد موسیٰ رضوی

ڈاکٹر علی شریعتی کی ایک کتاب کا ترجمہ

کراچی: ادارہ ن والقلم گلشن اقبال، ۲۰۰۵ء (اشاعت سوم)، ۱۴۰ص

۱۶۔ اُمت اور امامت : سید محمد موسیٰ رضوی

ڈاکٹر علی شریعتی کی ایک کتاب کا ترجمہ

کراچی: ادارہ ن والقلم، ۲۰۰۵ء (اشاعت دوم)، ۲۴۱ص

☆ طہارۃ الانسانیہ فی الشریعۃ الاسلامیہ : ڈاکٹر شیخ شبیر حسین میثمی

۱۷۔انسان پاک ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں : مولانا سید مزمل حسین نقوی

کراچی: زہراء (س) اکادمی، ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ، ۲۳۲ص

۱۸۔اوقات نماز یومیہ۔مسئلہ جمع بین الصلاتین قرآن وسنت کی روشنی میں: آیۃ اللہ السید ابن حسن الرضوی

کراچی: فیڈرل بی ایریا، ۲۰۰۲ء، ۴۷ص

۱۹۔ اولیائے خدا کی عظمتیں : نثار احمد زین پوری

حجۃ الاسلام یعقوب جعفری کی کتاب کا ترجمہ

عنوانات: اولیائے خدا کون؟، اولیائے خدا سے توسل، اولیائے خدا کے آثار کو بابرکت سمجھنا، اولیائے خدا کے مزارات کی زیارت، اولیاءاللہ کی قبور کی تعمیر، اولیاءاللہ پر گریہ کرنا اور انکا مرثیہ پڑھنا اولیاءاللہ سے شفاعت طلب کرنا، اولیاءاللہ سے مدد مانگنا، اولیاءاللہ کی کرامات

قم: انصاریان پبلی کیشنز، ۱۴۱۵ھ

۲۰۔ ایران کا اسلامی انقلاب۔ فتنہ وہابیت اور شیعیت　　: مولانا سید کلب جواد

مولانا محمد منظور نعمانی دیوبندی (م ۱۹۹۷ء) کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' کا ردّ

لکھنو: مکتبہ ایمان، ۱۹۸۴ء، ۲۶۴ص

۲۱۔ ایمانی شہ پارے　　: مرتب ساحر لکھنوی

یہ کتاب مندرجہ ذیل مقالات پر مشتمل ہے:

(۱) مقدمہ نہج البلاغہ　　: سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

(۲) حقیقت اسلام　　: سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

(۳) حضرت علی ۔ کی شخصیت　　: سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

(۴) اسلامی نظریہ حکومت　　: سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

(۵) اسلام اور طبقاتی نظام　　: مولانا سید کاظم نقوی

(۶) غدیر خم　　: پروفیسر سید مظفر حسن ظفر جونپوری

کراچی: گلشن اقبال، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء، ۱۲۴ص

۲۲۔ ایمان مجسم۔ علی ابن ابی طالب ۔　　: علامہ محمد علی فاضل

سوانح حضرت علی ۔

اسلام آباد مکتبۃ الھادی، ایچ ایٹ ٹو، ۲۰۱۰، ۳۹۷ص

۲۳۔ بچوں کی نہج البلاغۃ　　: سید محمد قرۃ العین عابدی

عابدی صاحب کے اپنے الفاظ میں ''زیر نظر کتاب بچوں کی نہج البلاغۃ میں ہم پاکستانی بچوں کو اسلامی تہذیب وتمدن اور فطرت کی کتاب سے آشنا کرنا چاہتے ہیں''

کراچی: اسلامی افکار فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، ۶۲ص

☆ سفر برزخ (فارسی)　　: نعمت اللہ صالحی حاجی آبادی

۲۴۔ برزخ کا سفر نامہ　　: مولانا سید ریاض حسین جعفری

تین ابواب: موت سے قبر تک، دخول قبر سے وادی برھوت تک، وادی برھوت سے قیامت تک
اسلام آباد: اسلامک بک سنٹر، ۲۰۰۶ء، ۳۱۸ص

۲۵۔ بلوچستان میں سفیران اہل بیت　　: زیڈ ایچ درانی

کتاب کا انتساب ''بلوچستان کے اُن عزاداروں کے نام جنھوں نے ۶۱ھ سے لیکر ۱۴۲۵ھ تک قائم عزاداری کو اپنے دامے درمے سخنے قدمے تعاون سے زندہ رکھا اور اس سلسلے میں اپنی جانوں تک کے نذرانے پیش کیے''

چھ ابواب: بلوچی تاریخ، تذکرہ علماء بلوچستان، تذکرہ ذاکرین وخطبائے بلوچستان، تذکرہ بانیان عزائے بلوچستان

بلوچستان: قرآن وعترت ٹرسٹ، ۲۰۰۴ء، ۱۸۳ص

۲۶۔ بلوچی عقیدہ۔ بلوچی تاریخ، شاعری اور رسومات کی روشنی میں　　: فہیم عباس جعفر

کتاب کا انتساب ''اُن بلوچوں کے نام جنہوں نے اپنے حقیقی اور آبائی عقیدے کے تحفظ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا'' ص ۳

کتاب تین ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے: بلوچی عقیدہ، بلوچی تاریخ کی روشنی میں، بلوچی عقیدہ بلوچی شاعری کی روشنی میں، بلوچی عقیدہ رسومات کی روشنی میں، بلوچوں کے آبائی اور حقیقی عقائد پر ایک نظر

بلوچستان: اسلامی تبلیغی مشن، ۲۰۰۷ء، ۲۵۵ص

☆ تاریخ المراقد (عربی)　　: محمد صادق محمد الکرباسی

۲۷۔ تاریخ مزارات (جلد اول)　　: مولانا محمد علی فاضل

زیر نظر کتاب ''دائرۃ المعارف الحسینیہ'' کا ایک حصہ ہے جو امام حسین -اور آپ کے اہل بیت و انصار سے متعلق ہے مولف نے اس کتاب میں ان مزارات کی دینی، معاشرتی، ثقافتی، سیاحتی اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے

لاہور: ادارہ منہاج الحسین پاکستان، ۲۰۰۷ء، ۳۷۲ص

☆ تاریخ یعقوبی (عربی)　　: احمد بن ابی یعقوب ابن واضح یعقوبی (م ۲۸۴ھ)

۲۸۔ تاریخ یعقوبی　　: ثاقب اکبر صاحب

یہ کتاب حضرت آدم -سے لے کر احمد معتمد علی اللہ کے دور تک بحث کرتی ہے۔

اسلام آباد: البصیرہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ۱۲۷ص

۲۹۔تحفۃ العوام (مکمل ومعتبر)　　: مولانا سید ناصر مہدی رضوی
یہ تحفۃ العوام آیت اللہ العظمی السید علی سیتانی کے فتاوی کے مطابق ہے۔
کراچی: دارنشر للمعارف الاسلامیہ، ۲۰۰۷ء، ۶۶۳ص

۳۰۔تشیع۔محمدی اسلام کے آئینے میں　　: سید محمد موسی رضوی
ڈاکٹر علی شریعتی کی کتاب کا ترجمہ
کراچی: ادارہ ن والقلم، ۲۰۰۷ء اشاعت دوم، ۳۷۵ص

۳۱۔تفسیر آیات　　: سید محمد قرۃ العین
حقیقت قرآن، اصول تفسیر، تفسیر سورہ حمد وفتح وتوحید
کراچی: اسلامی افکار فاؤنڈیشن، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء، ۲۷۲ص

۳۲۔تقلید اور اجتہاد　　: علامہ سید ابن حسن نجفی
تقلید اور اجتہاد کو اچھے علمی انداز میں سمجھایا گیا ہے
کراچی: ادارہ تمدن اسلام، ۲۰۰۳ء، ۱۹۲ص

۳۳۔توتم پرستی　　: سید محمد موسی رضوی
ڈاکٹر علی شریعتی کی ایک کتاب کا ترجمہ
کراچی: ادارہ ن والقلم گلشن اقبال، ۲۰۰۱ء، ۱۲۵ص

۳۴۔جواب ردالرفضہ　　: سید حسنین احمد نقوی ساکن بریلی
مولانا احمد رضا خان بریلوی کی کتاب ''ردّالرفضہ'' کا ردّ
کھجوا: اصلاح پریس، ۱۳۳۲ھ، ۱۶ص

۳۵۔جوش کے انقلابی مرثیے مع عرفانی ورثائی کلام: ڈاکٹر ہلال نقوی
یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں جوش کے اٹھارہ انقلابی مرثیے ہیں حصہ دوم میں سلام، نعت اور منقبت ہے جوش کی معروف نظم ''ذاکر سے خطاب'' بھی اسی حصے میں ہے۔

سوچ تو اے ذاکر افسردہ طبع ونرم خو　　آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیرا اہاہو　　فیس کا دریوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالم اخلاق کو زیروزبر کرتا ہے تو　　خون اہل بیت ÷ میں لقمے کو تر کرتا ہے تو　　(ص ۲۰۶)

ناروے: توحید اسلامک سنٹر (اوسلو)، ۲۰۱۰، ۳۲۸ص

۳۶۔حسین -وراث آدم　　: سید محمد موسیٰ رضوی
ڈاکٹر علی شریعتی کی کتاب کا ترجمہ
کراچی: ادارہ ن والقلم گلشن اقبال، ۲۰۰۵ء، ۱۲۱ص

۳۷۔حیات وکائنات کا الوھی تصورّ　　: علامہ طالب جوہری
مجموعہ تقاریر عشرہ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء
کراچی: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ، ۲۰۰۷ء (اشاعت سوم)، ۱۷۶ص

۳۸۔خاتمیت۔ختم نبوت اور دین اسلام کی جاودانی کے بارے میں دلکش تقاریر:　　استاد مطہری
آیۃ اللہ مطہری کی دس تقاریر کا مجموعہ
عنوانات: خاتمیت۔قرآن وحدیث میں، علم اور عقل تبلیغی نبوت کے جانشین، نبوت تشریعی کے خاتمے کا فلسفہ، اسلامی تعلیمات اور لامتناہی مقاصد، جبر تاریخ اور اسلام کی جاودانی، دین خاتم میں علماء کا کردار، ارکان خاتمیت، قرآن وسنت کی لامتناہی استعداد
کراچی: دارالثقلین، ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء، ۱۸۵ص

۳۹۔خانوادہ اجتہاد کے مرثیہ گو　　: ساحر لکھنوی (سید قائم مہدی)
خاندان اجتہاد کے بانی حضرت غفرانمآب مولانا سید دلدار علی (م ۱۲۳۵ھ) تھے اس خاندان میں اب تک جو مرثیہ گو شعراء گزرے ہیں ساحر صاحب اُن کا تذکرہ مع نمونہ کلام کے کیا ہے، وہ مرثیہ گو شعراء حسب ذیل ہیں۔ ماہر، امید، فاخر، جاوید، ذاخر، خورشید، حسین، شاعر، مہدی نظمی، تاثیر نقوی، افسر، ساحر لکھنوی، سید عسکری، اختر ناظم عقیل، مولوی سید زاہد حسین فہیم، سبط حسین، آشفتہ کتاب میں مندرجہ ذیل عناوین پر مقالے بھی ہیں:
مرثیہ اور ساحر، اردو مرثیہ، خاندان اجتہاد کا تعارف، خانوادہ اجتہاد میں شاعری کا آغاز، خانوادہ اجتہاد میں شاعری کا آغاز، خانوادہ اجتہاد میں مرثیہ گوئی، اشاریہ موجود ہے۔
کراچی: آثار وافکار اکادمی، ۲۰۰۳ء/ ۱۴۲۴ھ، ۸۵۱ص

۴۰۔خلاصۃ التفاسیر　　: ڈاکٹر محمد حسن رضوی
آخری پارے کا ترجمہ وتفسیر
کراچی: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ، صفحات (۶۱۶۶ تا ۶۵۳۲)

☆ داستان راستان (فارسی) : آیۃ اللہ مطہری

۴۱۔ داستان راستان : ڈاکٹر غلام حسین عدیل

دونوں جلدیں اکٹھی شائع کی گئیں ہیں (۵۰+۷۵) داستانیں ہیں

ان میں اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی، عقیدتی، مسائل کو داستان کے روپ میں بیان کیا گیا ہے،

مولانا سید ریاض حسین صفوی نے ترجمے پر نظر ثانی کی۔

اسلام آباد: مرکز فکر اسلامی، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء، ۳۴۴ص

۴۲۔ داستان کربلا : رشید احمد بسمل نوگانوی

مراثی در بارۂ شہدائے کربلا

آغاز:

اصغر کو لے کے جب چلے سلطان کربلا　　دامن عبا کا شاہ نے اس کو اڑھا دیا

بیٹے کا ماتھا چوم کے مادر نے یوں کہا　　اے لال میرے جا تر احافظ ہے اب خدا

ہاں رن سے لوٹ کر مری جاں جلد آئیو　　پھر آ کے ماں کو چاندسی صورت دکھائیو

۴۳۔ دبستان ناسخ : ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

شیخ امام بخش ناسخ کے ۹۲ شاگردوں کا تذکرہ جو مرثیہ گو بھی تھے اس کتاب میں ناسخ کا غیر مطبوعہ کلام بھی شامل کیا گیا ہے

کراچی: مرکز علوم اسلامیہ، ۲۰۱۰ء/۱۴۳۱ھ، ۹۶۸ص

۴۴۔ دعا : سید محمد موسی رضوی

ڈاکٹر لکس کارل کی کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر علی شریعتی نے فارسی میں کیا زیر نظر کتاب اسی فارسی ترجمے پر مشتمل ہے۔

کراچی: ادارہ ن والقلم، ۲۰۰۵ء، ۹۷ص

۴۵۔ دنیا۔ نہج البلاغہ کی روشنی میں : سید مہدی شمس الدین

فارسی سے ترجمہ

کراچی: باب العلم فاؤنڈیشن، ۱۴۱۸ھ، ۱۷۸ص

۴۶۔ دیوان ابی طالب : مولانا رضی جعفر

ڈاکٹر محمد تنوجی کی مرتب کردہ دیوان کا ترجمہ (معہ متن)

کراچی: ڈیفوڈل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ۱۹۵ص

۴۷۔ ڈاکٹر ہلال نقوی کے منتخب مرثیے　　: پروفیسر سحر انصاری (مرتب)

تین مرثیے جو ہاتھ، چراغ اور آواز کے موضوعات پر لکھے گئے

نمونہ کلام:

جس ہاتھ میں قلم ہے حشم اس کے ساتھ ہے　　جو ہاتھ خود قلم ہے علم اس کے ہاتھ ہے
ہر عہدِ تشنگی کا تمدن لکھے جو ہاتھ　　آثار وارتقاء کا بھرم اس کے ہاتھ ہے
برہم کرے صفوں کو جو ترتیب کے لیے　　وہ ہاتھ اک سبیل ہے تہذیب کے لیے

اسلام آباد: سیف علی ایجوکیشنل کمپلکس سہالہ، ۲۰۱۰ء، ۱۴۴ص

۴۸۔ راہِ خدا　　: حکیم مصنف علی

ارشد نعمانی اور منور حسین جعفری کے مناظرے پر مشتمل

دس باب: وضو، اذان، نماز، عبداللہ بن سبا، ماتم امام حسین

لاہور: ادارہ منہاج الصالحین، ۲۰۰۳ء، ۴۴۷ص

۴۹۔ ردّ نصیریت　　: مولانا سید محمد اصغر

ترتیب وحواشی: مولانا سید ناصر مہدی رضوی

کراچی: دارالنشر للمعارف الاسلامیہ، ۲۰۱۱ء، ۷۱ص

۵۰۔ زبور آل محمد ﷺ۔ شرح صحفیہ سجادیہ　　: ڈاکٹر غلام حسین عدیل

پہلی پانچ دعاؤں کی شرح، مندرجہ ذیل مقالات بھی ہیں:

امام زین العابدین ؑ۔ اسلام میں دعا کی اہمیت، صحیفہ مبارکہ سجادیہ

اسلام آباد: مرکز فکر اسلامی، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء، ۵۹۲ص

☆ حکایتھا وھدایتھا در آثار شہید مطہری (فارسی)　　: محمد جواد صاحبی

۵۱۔ سبق آموز واقعات　　: حجۃ الاسلام سجاد حسین قائمی

آیۃ اللہ شہید مطہری کی کتب میں جو سبق آموز وواقعات میں انہیں اکٹھا کیا گیا ہے

کراچی: زہراء اکادمی، ۲۰۱۰ء، ۳۵۲ص

۵۲۔ سندھ اور اہل بیت　　: ڈاکٹر مرزا علی بیگ افسر

عنوانات: سندھ میں شیعیت کی ابتداء ژُط (جٹ) قوم کی حضرت علی ؑ سے عقیدت، عرب کا مشہور

شاعر فرزدق اور سندھ۔ سندھ میں بنی فاطمہ کی دعوت، قرآن مجید کا پہلا سندھی ترجمہ وتفسیر
حیدرآباد: محسن میرزا پبلی کیشنز، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، ۱۸۴ص

۵۳۔ شہید ملت جعفریہ کراچی　　: حسن مرتضیٰ
کراچی میں مذہب کے نام پر شہید کئے جانے والے شیعوں کا تذکرہ مرحوم کن کن قبرستانوں میں دفن ہوئے اُن کی نشاندہی کی گئی ہے۔
کراچی: شیعہ علماء کونسل سندھ، ۱۴۳۱ھ/۲۰۰۹ء، ۶۹۸ص

۵۴۔ شہزادی زینب کبریٰؑ اور تاریخ ملک شام　　: ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی
تین باب: حضرت زینب کا زیارت نامہ، شام کا سفرنامہ، تاریخ ملک شام
کراچی: مرکز علوم اسلامیہ گلشن اقبال، ۲۰۰۸ء، ۲۲۳ص

۵۵۔ شہسوار عرب کی تیغ ''لا''　　: سید محمد موسیٰ رضوی
ڈاکٹر علی شریعتی کی کتاب کا ترجمہ
کراچی: ادارہ ''ن والقلم''، گلشن اقبال، ۲۰۰۴ء، ۲۰۶ص

۵۶۔ شہید علمائے حق　　: علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی
شہید اول تا پنجم علامہ شیخ شمس الدین۔ شیخ زین الدین، قاضی علامہ سید نوراللہ شوستری، علامہ مرزا محمد کامل دہلوی آیۃ اللہ محمد باقر الصدر کے حالات زندگی
کراچی: مرکز علوم اسلامیہ، ۲۰۰۸ء، ۱۴۱ص

۵۷۔ شیعہ عقائد واعمال کا تعارف۔ اہل سنت کی کتابوں سے　　: ڈاکٹر محمد حسن رضوی
ڈاکٹر صاحب کا اس کتاب کے لکھنے مقصد ''اتحاد بین المسلمین کی ایک علمی کوشش ہے''
کراچی: اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ، ۶۳ص

☆ سرچشمہ کوثر (فارسی)　　: حجۃ الاسلام علی اکبر مہدی پور

۵۸۔ سرچشمہ کوثر　　: سید حسین رضوی قمی
سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے حالات زندگی
قم: سیمائی آفتاب، ۱۴۲۹ھ، ۴۸ص

☆ صحیفہ کاملہ (عربی)　　: امام زین العابدینؑ

۵۹۔ صحیفہ کاملہ (منظوم)　　: نیساں اکبرآبادی
راولپنڈی: مدن پورہ گوالمنڈی، ۱۹۹۸ء، ۱۴۱۹ھ، ۳۳۵ص

۶۰۔صحیفہ مدحت　　: ساحرلکھنوی (سید قائم مہدی)

اٹھارہ قصائد کے علاوہ مندرجہ ذیل دو مقالات بھی شامل کتاب ہیں

ساحرلکھنوی اور قصیدہ نگاری، ''قصیدہ عربی سے اردو تک'' ایک اجمالی تحقیقی مطالعہ

کراچی: آثار وافکار اکادمی، ۱۹۹۷ء، ۳۰۶ص

☆ عقائد امامیہ (فارسی)　　: آیۃ اللہ سبحانی

۶۱۔ عقائد امامیہ　　: سید قلبی حسین رضوی

گیارہ سو پچاس اصولوں پر مبنی شیعہ اثنا عشری عقائد کی مختصر لیکن واضح اور استدلالی شرح

عنوانات: اسلام میں معرفت کی راہیں، توحید اور اس کے مدارج، خدا کے صفات، عدل الٰہی، بعثت انبیاء کی ضرورت پر دلائل، نبوت خاصہ، امامت وخلافت، غیبت وظہور، موت کے بعد کی دنیا، ایمان کفر بدعت تقیہ توسل وغیرہ حدیث اجتہاد اور فقہ۔

طہران: مرکز چاپ ونشر مجمع جہانی اہل بیت، ۱۴۲۴ھ، ۳۸۴ص

۶۲۔علی۔ایک دیومالائی سچ　　: سید محمد موسیٰ رضوی

ڈاکٹر علی شریعتی کی ایک کتاب کا ترجمہ

کراچی: ادارہ عظمت انسانیت، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ۹۴ص

۶۳۔علی شریعتی قید حیات میں　　: سید محمد موسیٰ رضوی

ڈاکٹر پوران کی کتاب کا ترجمہ

کراچی، ۲۰۰۹، ۴۰۹ص

۶۴۔عنوان عاشورا　　: مولانا سید علی شرف الدین نجفی (مرتب)

مرتب کے اپنے الفاظ میں

عنوان عاشورا تو خود کو قربان کر کے اسلام کو زندہ کرنے کا نام ہے مگر جو رسومات ہمارے پاس ہیں اور جن کو جاری وساری رکھنے کے لیے ہم بڑی تگ ودو کرتے ہیں وہ تو اسلام اور فکر امام حسین کو ذبح کر کے اور تعلیمات اسلام کو دبا کر یعنی احکامات محمد وآل محمد کو عوام کی نظروں سے اوجھل بنا کر خود کو زندہ اور نمایاں رکھنے کا مظاہرہ نہیں۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل سات مقالات پر مشتمل ہے:

۱۔ عنوان عاشورا　　: سید علی شرف الدین موسوی

۲۔ اُمت کے ہزیمت خوردہ اخلاق کی اصلاح : شہید باقر الصدر ترجمہ سید علی شرف الدین موسی
۳۔ میدان جنگ میں امام کے خطبات :
۴۔ حسین ؑ کے ارشادات کے آئینے میں
حکومت اسلامی کے خدوخال : مفتی سید آغا جزائری
۵۔ شہادت حسین ؑ۔ایک آگاہانہ اقدام : سید حسنین رضوی کراروی
۶۔ سیدالشہداءؑ کا کامیاب جہاد : شہید ڈاکٹر بہشتی
۷۔ انقلاب کربلا۔ایک تاریخی جائزہ : رسول جعفریان
کراچی: دارالثقافۃ الاسلامیہ،۱۴۲۲ھ،۲۰۱ص

۶۵۔فکر ونظر : سید سعید حیدر زیدی
آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ (م۲۰۱۰ء) کے عقیدتی، سیاسی اور اجتماعی موضوعات پر چند انٹرویوز اور تقاریر کا مجموعہ عنوانات: قرآن مجید۔دستور زندگی، دین معاشرہ اور حکومت، حکومت اسلامی شوریٰ اور جمہوریت، تہذیبوں کے درمیان مقابلہ، رسول اکرم ﷺ کے بعد اسلام کی قیادت اسلام اور عورت کا معاشرتی کردار۔
کراچی: دارالثقلین،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء،۱۴۳ص

۶۶۔فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ : ساحر لکھنوی (سید قائم مہدی)
دوابواب: تاریخ گوئی کی تعریف (قاعدہ جمل سے تاریخ محفوظ کرنے کا طریقہ۔تاریخ گوئی کی مختلف قسمیں) صفت تعمیۃ کا استعمال اور اس کے طریقے
کراچی: آثار وافکار اکادمی،۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء،۱۸۰ص

۶۷۔قرآن اور اخلاق : محمد ساجد رضا حیدری (انجینئر)
عنوانات: علم اخلاق اور اس کی اہمیت، اسلام اور علم اخلاق، والدین کے حقوق، اسلام اور آداب، فضائل اخلاق، گناہ اور امید رحمت
کراچی: افتادہ ویلفیئر ٹرسٹ،۲۰۰۹ء،۳۹۲ص

۶۸۔کاروان حریت۔منزل بہ منزل : علامہ محمد علی فاضل
اُن تقاریر کا مجموعہ جو ہادی ٹی وی پر کیں گیارہ محرم الحرام سے ۸ ربیع الاول کے واقعات کربلا کا تذکرہ
لاہور: نشر معارف اسلامی،۲۰۰۸ء،۳۰۸ص

۶۹۔کاروان شہادت ۔منزل بہ منزل　　:　علامہ محمد علی فاضل
حضرت امام حسین -کے سفر مدینہ تا ۲محرم الحرام کربلا تک واقعات
لاہور:نشر معارف اسلامی،۲۰۰۸ء،۳۶۱ص

۷۰۔کاروان شہادت ۔مدینہ تا مدینہ منزل بہ منزل　　:　علامہ محمد علی فاضل
سفر کاروان اہل بیت رجب ۶۰ھ تا واپسی ربیع الاول ۶۱ھ کا تذکرہ
اسلام آباد:مکتبۃ الھادی ایچ ایٹ،۲۰۱۰ء،۴۹۴ص

۷۱۔کشکول نیوجرسی　　:　ڈاکٹر سید منظور نقی رضوی
بارگاہ مرتضوی میں مشاہیر اہل قلم کا نذرانہ عقیدت،مختلف مضامین کا مجموعہ،بعض عنوانات

۱۔ حضرت امیر المومنین کا طرز حکمرانی	: مولانا سید رضی جعفر نقوی
۲۔ علی - قرآن کے آئینے میں	: میر مراد علی خان
۳۔ خطبہ غدیر	: علامہ سید ذیشان حیدر جوادی
۴۔ شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کی حضرت علیؑ سے بے پناہ محبت	: علامہ مجتبیٰ حسن کامونپوری
۵۔ چودہ سو سال پہلے غدیر خم کا ایک منظر	: علامہ سید ابن حسن رضوی
۶۔ امیر المومنین کا علمی خزانہ	: علامہ مجتبیٰ احسن کامونپوری
۷۔ اذان میں علی ولی اللہ کہنا	: مولانا سید علی حیدر
۸۔ حضرت علی -کی شان در صواعق محرقہ	: سید تلمیذ حسنین رضوی
۹۔ صحیفہ علویہ۔ایک جائزہ	: سید تلمیذ حسنین رضوی
۱۰۔ حدیث مدینۃ العلم کی سند	: محسن ملت مولانا محسن نواب لکھنوی

امریکہ:مسلم فاونڈیشن نیوجرسی،۲۰۰۲ء،۶۷۵ص

☆سخنان حسینؑ از مدینہ تا کربلا (فارسی)　　:　محمد صادق نجمی

۷۲۔کلام امام حسین -　　:　سید افتخار حسین نقوی
راولپنڈی:ایلیا بلس،۲۰۰۸ء،۳۹۲ص

۷۳۔کلیات ہاشم ہاشمی　　:　سید علی ہاشم الھاشمی
شاہ عالم زیدی البارھوی (۲۰۱۱ء)

حمد،نعت اور قصائد کا مجموعہ
کراچی: نارتھ ناظم آباد،۲۰۰۶ء،۲۷۴ص

۷۴۔لہو رنگ صحرا : ساحرلکھنوی (سید قائم مہدی)
مجموعہ سلام ونوحے
کراچی: آثار وافکار اکادمی،۲۰۰۴ء،۱۸۴ص

☆لمحات جاویداں۔حیات امام حسین-(فارسی) : سید ہاشم رسولی محلاتی

۷۵۔لمحات جاویداں : مولانا سید شمشاد حسین نقوی
کراچی:منشورات قرآن وسنت،۱۴۲۹ھ/۵۵۶ص

☆از مدینہ تا مدینہ(فارسی) : آیۃ اللہ سید محمد جواد تہرانی

۷۶۔مدینہ سے مدینہ تک : علامہ ناصر مہدی جاڑا
سولہ فصلیں: حضرت امام کے خصائص،فضائل اور مناقب،معاویہ کا بیعت لینے کے لیے طریقہ، معاویہ کی موت اور یزید کی حکومت، مدینے سے مکے تک شاہ مظلوم کا سفر
لاہور: ادارہ منھاج الصالحین،۲۰۰۹ء،۷۵۵ص

۷۷۔مرثیہ پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ : ساحرلکھنوی (سید قائم مہدی)
عنوانات: مریثہ کی آفاقیت، مرتبہ واقعہ کربلا کے بعد، اردو مرثیہ کے مختلف ادوار، اردو مرثیہ اور بعض نقادوں کا ہتک آمیز رویہ، مرثیہ پر اعتراضات کا جائزہ، مرثیہ کو ایک فرقے کی شاعری قرار دینے کی وجہ، غیر فرقوں اور مذاہب کے شعراء کی مرثیہ نگاری، مرثیہ کی ادبی حیثیت، مرثیہ میں لکھنو کے شیعوں کے آداب ورسم ورواج، دور حاضر میں مرثیے پر جدید اعتراضات
کراچی: آثار وافکار اکادمی،۲۰۰۹ء،۲۲۴ص

۷۸۔مرض تکبر۔تشخیص کے طریقے اور اس کا علاج : ڈاکٹر سید عابد حسین زیدی
''کینہ اور حسد بھی اسی تکبر سے پیدا ہوتے ہیں،حرص،جھوٹ،بخل،طمع،غیبت اور خاشامد وغیرہ سب کی وجہ تکبر ہی ہے اس لیے اس کتاب میں اس اُمّ الامراض ''تکبر'' کو جو کہ راہ سلوک میں سب سے بڑا مانع اور سب سے بڑی چٹان ہے موضوع بنایا گیا ہے''
کراچی: پیغام وحدت اسلامی،۲۰۰۰ء،۶۲ص

☆زینب الحریۃ(عربی) : سید ابوالقاسم دیباجی

۷۹۔مسافرہ شام : مولانا کوثر عباس سیال

سوانح حضرت زینب ﷺ

عنوانات: حضرت زینبؑ۔ ولادت سے کربلا تک، حضرت زینبؑ۔ کربلا میں، زینبؑ۔ عاشورا کے بعد سے آخر عمر تک، حضرت زینبؑ کی تاریخ وفات اور روضہ زینبؑ

لاہور: ادارہ منہاج الصالحین۔ ۲۶۸ص

۸۰۔ معرفت کے پھول　　: سید فدا حسین بخاری فاضل قم

چالیس مقالات کا مجموعہ

اسلام آباد: مرکز فکر اسلامی، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، ۴۲۴ص

۸۱۔ مفید الطلبہ　　: سید رجب علی بن سبحان علی

قواعد کے ساتھ ساتھ نو ہزار لغت عربی و نو ہزار لغت فارسی کا اردو میں ترجمہ یہ کتاب ۱۸۷۲ء میں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی محمد وزیر خان نے تاریخ کہی:

بہ تصحیح تمام و طرز زیبا　　ہُوا مطبوع یہ بستان مرغوب

صبا مستی سے دامن پھاڑتی ہے　　کھلا باغ معانی آج کیا خوب　　(۱۸۷۲ء)

آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء، ۲۱۴ص

۸۲۔ مقالات قدرت نقوی　　: سید علی اکبر رضوی (م ۲۰۰۹ء) (مرتب)

عنوانات: داستان حرم، غالب او مصرعہ امتناع النظیر خاتم النبین، سب رس میں نعت و منقبت، اردو مرثیہ پر ایک نظر، غالب کے معتقدات، مدفن امیر المومنین علی ابن ابی طالب۔

کراچی: ادارہ ترویج علوم اسلامیہ، ۲۰۰۲ء، ۲۰۵ص

۸۳۔ مقالات ملاذ العلماء　　: سید علی عباس طباطبائی

مولانا سید حسن نقوی مجتہد (م ۱۹۹۶ء) ابن میرن صاحب کے مقالات کا مجموعہ

عنوانات: کیا خلافت علویہ ناکامیاب رہی، سوشلزم اور اسلام شعب ابی طالب کا دورا ابتلا

لکھنو: عباس بک ایجنسی، ۱۹۹۹ء، ۹۴ص

☆ مقتل لہوف (عربی)　　: سید ابن طاؤس (م ۶۶۴ھ)

۸۴۔ مقتل لہوف　　: مولانا مظہر حسین حسینی

کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے: حضرت امام حسین ؑ کی ولادت سے صبح عاشوراء تک، واقعات عاشوراء شہادت امام حسین ؑ کے بعد

اسلام آباد: اسلامک بک سنٹر، ۲۰۰۸ء، ۱۵۸ص

۸۵۔ مکتب اہل بیت ÷ میں علوم حدیث کا ارتقاء : ڈاکٹر محسن نقوی

کتب اربعہ کا تعارف اصول حدیث سند ومتن کی وضاحت اور اقسام حدیث

کراچی: مکتبہ عماد الاسلام، ۲۰۰۹، ۲۷۱ص

۸۶۔ منزل یقین : سید ساجد رضوی

قطعات، رباعیات، سلام ومناقب

نمونہ کلام: نہیں یہ میری تمنا ہجوم عام سے سخن شناس اگر ہو تو وہ کلام سنے
کسی کے در سے طلب کچھ نہیں مجھے ساجد کوئی سنے نہ سنے بس مرا امام سنے

ٹورینٹو: سید آصف عباس رضوی کینیڈا، ۲۰۰۱ء، ۹۲ص

۸۷۔ منصب ہدایت اور قرآن : علامہ طالب جوہری

مجالس محرم الحرام ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

کراچی: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ، ۲۰۰۷ء، ۱۶۰ص

۸۸۔ مولود حرم۔ مولا علی - : سید شبر رضا رضوی جارچوی

''مولا علیؑ کی بغیر نقطوں کی مختصر سوانح مع ضمیمہ خصوصی غیر منقوط آیات وخطبہ امیر المومنین اور غیر منقوط مرثیہ مرزا دبیر'' پروفیسر سید سبط جعفر نے نظر ثانی کی

کراچی: باس پبلیشرز، ۲۰۰۱ء، ۱۸۴ص

☆ علمدار کربلا (فارسی) : علامہ عباس عزیزی

۸۹۔ مولا عباس : خانم صاعقہ اسماعیل

۴۸۰ فضائل، مصائب اور کرامات پر مشتمل کتاب

لاہور: ادارہ منہاج الصالحین، ۲۰۰۹ء، ۲۶۹ص

☆ مہدی فی الحدیث (عربی) : سید محمد صادق حسینی شیرازی

۹۰۔ مہدی۔ حدیث کی روشنی میں : ریاض حسین جعفری

لاہور: ادارہ منہاج الصالحین، ۲۰۰۱ء، ۱۲۶

۹۱۔ میزان حکمت (انتخاب وتلخیص) حصہ دوم : ڈاکٹر محمد حسن رضوی

آیۃ اللہ محمدری شہری کی کتاب میزان الحکمت سے انتخاب

کراچی: اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ ۲۴۰ص

۹۲۔نسیم بہشت　　: سید عقیل حیدر زیدی

فضلیت واہمیت اوراعمال ماہ رجب المرجب

مشہد: ادارہ ارتباطات اسلامی، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء، ۴۵ص

۹۳۔نماز جنازہ کی تکبیرات　　: ابومصعب جوادی

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نماز جنازہ کی پانچ تکبیریں تھیں

عنوانات: پانچ تکبیر پر اہل بیت کا اجماع، چار تکبیر نماز جنازہ سے متعلق روایات کی حیثیت، چار تکبیروں والی روایات سب کی سب ضعیف ہیں، چار تکبیر نماز جنازہ اجماع منعقد نہیں ہوا، نماز جنازہ ہاتھ کھول کر پڑھنے اور رفع یدین کا بیان، نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کا حکم

اسلام آباد: موسسہ امام علیؑ، ۱۴۲۲ھ، ۵۵ص

☆البراھین الجلیہ فی رفع التشکیکات الوھابیہ (عربی)　　: سید محمد حسن قزوینی

☆فرقہ وہابی و پاسخ شبہات آنہا (فارسی)　　: علی دوانی

۹۴۔وہابیت۔ پیدائش، تاریخ، عقائد　　: جعفر علی میر

عنوانات: وہابیت کا پیشوا۔ابن تیمیہ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کی جھلک، شفاعت کیا ہے؟ توسل، مزارت کی تزئین، زیارت روضہ رسول ﷺ اور ائمہ طاہرین شرک نہیں، مزارات مقدسہ کے اطراف میں مساجد بنانا

برمنگھم: ادارہ تراث احیائے اہل بیت (انگلینڈ)، ۲۵۳ص

۹۵۔یااولی الالباب　　: پیام اعظمی

مجموعہ مقالات: مولا کا مطلب صرف اعلان محبت ہی نہیں بلکہ اطاعت لازمی ہے

اعظم گڑھ: امامیہ دارالاشاعت انباری، ۲۰۰۲ء، ۳۲۰ص

☆☆☆☆☆

RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

Quarterly Noor-e-Marfat

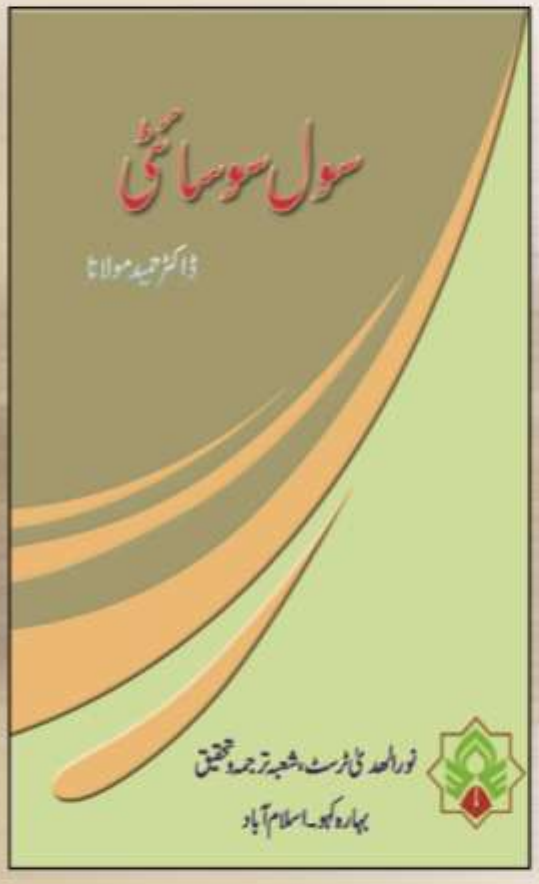

ڈاکٹر حمید مولانا

ڈاکٹر حمید مولانا کو مغربی ممالک کی یونیورسٹوں میں تدریس اور تحقیق کرتے ہوئے چالیس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ وہ بین الاقوامی روابط و اطلاعات کے شعبے کے بانی اور ماہر ہونے کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتے ہیں۔ پروفیسر حمید مولانا، واشنگٹن میں امریکن یونیورسٹی آف کمیونیکیشن میں بین الاقوامی روابط کے اُستاد بھی رہے ہیں۔ اُن کی سیاسیات اقتصادیات، عمرانیات اجتماعی نفسیات اور اسلامیات کے موضوع پر متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور اُن کی کتابوں کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اُن کے علمی کام کی وجہ سے اُنہیں بین الاقوامی سطح پر بہت سے انعامات سے بھی نوازا گیا ہے۔

کتاب ملنے کا پتہ

نورالہدیٰ ٹرسٹ، شعبہ ترجمہ و تحقیق، سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد # ۰۵۱-۲۲۳۱۹۳۷-۰۳۰۱-۵۱۴۷۳۱۲

محمد علی بک ڈپو، بالمقابل، الصادق ٹرسٹ، بنی نالہ لو، اسلام آباد # ۰۵۱-۲۵۵۷۴۷۱-۰۳۲۱-۵۲۹۱۹۲۱